تحقیق الشکر

(شکر کی حقیقت وطریقہ)

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱	بڑوں کا فیض	۸
۲	انبیاء علیہم السلام واولیاء رحمہم اللہ تعالیٰ کا فیض	۹
۳	اہلِ خاندان کو فائدہ	۹
۴	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد نکاح کرنے کی حکمت	۱۰
۵	ازواجِ مطہرات کا علم	۱۱
۶	غالی صوفیاء کی خام خیالی	۱۲
۹	من گھڑت حکایت	۱۲
۱۰	حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد	۱۴
۱۱	بعض لوگوں کی بدعقلی	۱۵
۱۲	حضرت علی رضی اللہ عنہ کی قرآن فہمی کی وجہ	۱۶
۱۳	کفار کے درجات میں فرق	۱۶
۱۴	آخرت میں ابوطالب کا حال	۱۷

۱۵	کفار کے باہم عذاب میں تفاوت کی دلیل	۱۸
۱۶	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے محسنین کے ساتھ برتاؤ	۱۹
۱۷	محسنین کے والدین سے حسنِ سلوک	۲۰
۱۸	ماں باپ کی نیکیوں کا اولاد کو فائدہ	۲۱
۱۹	کفار کو والدین کی نیکی کا کوئی فائدہ نہیں	۲۳
۲۰	ماں باپ کی وجہ سے آخرت کے درجات کی بلندی	۲۴
۲۱	ابوطالب کے احسانات کا بدلہ	۲۵
۲۲	حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت	۲۵
۲۳	ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فنائیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	۲۶
۲۴	صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی معیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	۲۷
۲۵	لوگوں کا اشتیاق	۲۸
۲۶	لیڈرانِ قوم کی بے ضابطگی	۲۸
۲۷	یہودی کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچاننا	۳۰
۲۸	حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بڑھاپے کے آثار	۳۱
۲۹	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متفکر رہنے کی وجہ	۳۳
۳۰	حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر امت کے اعمال کی پیشی	۳۳

۳۱	حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت	۳۵
۳۲	مقام صدیق رضی اللہ عنہ	۳۶
۳۳	مولانا اسمعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کا حل	۳۷
۳۴	ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی تاویل	۳۸
۳۵	قُربِ حسی اور قُربِ معنوی	۳۹
۳۶	اہمیتِ ادائیگی شکر	۳۹
۳۷	اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے غفلت	۴۰
۳۸	بیماری بھی ایک نعمت ہے	۴۱
۳۹	اختلافِ صحابہ میں گفتگو سے احتراز	۴۱
۴۰	بیماری میں محبوبانِ خدا کا حال	۴۲
۴۱	بعض صوفیاء کی غلط فہمی	۴۳
۴۲	کفار کے لئے دائمی عذاب	۴۴
۴۳	صوفیاء کی غلطی کا مدار	۴۵
۴۴	حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ تصوف کے امام تھے	۴۵
۴۵	شیخ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کا مقام بلند	۴۶
۴۶	سب سے بڑی نعمت ایمان ہے	۴۷

۴۷	اللہ تعالیٰ کے انعامات	۴۸
۴۸	عورتوں میں ناشکری کا مادہ	۴۸
۴۹	شکر کا محل	۴۹
۵۰	عورتوں میں ناشکری کی عادت	۵۰
۵۱	اللہ تعالیٰ کے شکر کے ساتھ بندوں کا شکر بھی لازم ہے	۵۰
۵۲	شکر کی حقیقت	۵۰
۵۳	اعتبار خاتمہ کا ہے	۵۱
۵۴	لوازمِ شکر	۵۲
۵۵	شکر کرنے کے لئے ہمت کی ضرورت	۵۲
۵۶	مراقبہ موت	۵۳
۵۷	بندوں کی ناشکری کی شکایت	۵۳

وعظ

تحقیق الشکر

(شکر کی حقیقت وطریقہ)

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے یہ وعظ احقر کی نانی اپنی زوجہ ثانی کے مکان کی تعمیر کی تکمیل کے موقع پر شبِ جمعہ ۲٦ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ کو انہی کے گھر پر تھانہ بھون میں کرسی پر بیٹھ کر ایک گھنٹہ بیس منٹ تک ارشاد فرمایا۔

مکان کی تعمیر کے شکریہ میں شکر کی حقیقت وضرورت پر بیان کیا۔

سامعین میں چالیس مرد اور پردے میں عورتیں اس کے علاوہ تھیں ہر طبقہ کے لئے انتہائی مفید ہے خاص کر اہل ثروت کے لئے۔

محدثِ کبیر علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے قلمبند فرمایا۔

خلیل احمد تھانوی

۷/صفر ۱۴۳۲ھ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

خطبۂ ماثورہ

الحمد لله نحمدهٗ و نستعينهٗ ونستغفرهٗ و نؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له ونشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له ونشهد انّ سيدنا ومولانا محمدًا عبده ورسوله صلى الله تعالىٰ عليه وعلىٰ اٰله واصحابه و بارك وسلم **اما بعد:**

فاعوذ بالله من الشيطن الرجيم

بسم الله الرحمن الرحيم

﴿اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا وَّقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ﴾

یہ ایک بہت بڑی آیت کا ٹکڑا ہے جس میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا قصہ مذکور ہے اور اُن نعمتوں کا ذکر ہے جو سلیمان علیہ السلام کو دی گئی تھی وہ آیت یہ ہے: ﴿وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّ رَوَاحُهَا شَهْرٌ ج وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ ط وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ط وَمَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ ; يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَ تَمَاثِيْلَ وَ جِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ ط اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ط وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ﴾ (۱)

(۱) ’’اور سلیمان (علیہ السلام) کے لئے ہوا کہ مسخر کردیا کہ اس کا صبح کا چلنا مہینہ بھر کی مسافت تھی اور شام کا چلنا مہینہ بھر کی مسافت تھی اور ہم نے ان کے لئے تانبے کا چشمہ بہادیا اور جنات میں بعضے وہ تھے جو ان کے آگے کام کرتے تھے ان کے رب کے حکم سے اور ان میں جو شخص ہمارے حکم کی سرتابی کرے گا ہم اس کو دوزخ کا عذاب چکھادیں گے۔ وہ جنات ان کے لئے وہ چیزیں بناتے جو ان کو منظور ہوتا بڑی بڑی عمارتیں اور مورتیں اور لگن جیسے حوض اور دیگیں جو ایک ہی جگہ جمی رہیں اے داؤد کے خاندان والو! تم سب شکریہ میں نیک کام کیا کرو اور میرے بندوں میں شکرگذار کم ہی ہوتے ہیں‘‘ سورۂ سبا:۱۲۔۱۳۔

بڑوں کا فیض

اس کے بعد سلیمان علیہ السلام کو اس آیت میں خطاب ہے اور اس میں ان کو شکر کی تعلیم ہے مجھے مقصود اس وقت صرف اِس جزو کا بیان کرنا ہے: ﴿اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا وَّقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ﴾ اس میں حضرت سلیمان علیہ السلام کو شکر کی تعلیم کی گئی ہے مگر عنوان ایسا ہے کہ تمام خاندان کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے علاوہ بھی شامل ہے جس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ انعامات تمام خاندان پر ہیں اس لئے شکر کی بھی سب کو تعلیم دی گئی حالانکہ وہ انعامات خاص سلیمان علیہ السلام کے ساتھ مخصوص ہیں پھر عام عنوان کے ساتھ خطاب کیوں کیا گیا؟

بات یہ ہے کہ خاندان میں جب کسی ایک پر انعام ہوتا ہے تو اس سے سارے خاندان کو نفع پہنچتا ہے۔ اس لئے گو ظاہر میں ایک خاص ذات پر انعام ہے مگر حقیقت میں وہ سارے خاندان کو شامل ہے۔ بڑے آدمی سے خاندان کو ایک ادنیٰ نفع تو یہی ہوتا ہے (۱) کہ اس کی وجہ سے سارا خاندان معظّم ہو جاتا ہے (۲) سب کی عظمت لوگوں کی نگاہوں میں ہوتی ہے۔ دیکھئے ایک شخص حاکم ہے اسکا کوئی عزیز آپ کے پاس آئے اور آپ کو معلوم ہو جائے کہ یہ حاکم کا عزیز ہے تو خواہ مخواہ اس کی خدمت کرنے کو جی چاہے گا بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ یہ تمنا بھی نہیں ہوتی کہ حاکم کو میری خاطر و مدارات کی اطلاع بھی ہو۔ تم اس کی خاطر و مدارات کر کے دل میں شرمندہ ہوتے ہو کہ ہم سے کچھ بھی حق ادا نہیں ہوا اور

(۱) کم از کم یہ نفع تو ہوتا ہی ہے (۲) قابلِ تعظیم۔

اس سے کہتے ہو کہ میری اس خدمت کی اطلاع حاکم صاحب سے نہ کیجئے گا میں نے کیا ہی کیا ہے جس کا ذکر کیا جائے۔

اور اسی طرح ہر شخص اپنے دل میں ٹٹول کر دیکھ لے کہ ایک بڑے شخص کی وجہ سے تمام خاندان کی عظمت ہوتی ہے اور اس کی خدمت کو جی چاہتا ہے خواہ دینی عظمت ہو یا دنیوی، چنانچہ مشائخ کی طرف منسوب ہونے سے ایک خاص جماعت کی نظروں میں وقعت ہوتی ہے[۱] علماء کی طرف منسوب ہونے سے اہلِ علم میں وقعت ہوتی ہے یہ تو دینی عظمت ہے، سلاطین اور حکام کی طرف منسوب ہونے سے اہلِ دنیا کی نظر میں وقعت ہوتی ہے یہ دنیوی عظمت ہے یہ تو ادنیٰ معظم کی طرف منسوب ہونے سے تمام خاندان کو نفع ہوتا ہے۔

انبیاء علیہم السلام واولیاء رحمہم اللہ تعالیٰ کا فیض

پھر جس خاندان میں کوئی نبی ہو اس کی عظمت کا کیا پوچھنا کیونکہ انبیاء علیہم السلام دینی اور دنیوی دونوں اعتبار سے معظّم ہوتے ہیں بعض انبیاء تو سلاطین بھی تھے اور بالخصوص حضرت داؤد وسلیمان علیہما السلام کی سلطنت تو مشہور ہے کہ ایسی بادشاہت نہ کسی کو نصیب ہوئی نہ آئندہ ہوگی تو ان کی برکت سے ان کا خاندان دینی حیثیت سے بھی معظّم تھا اور سلطنت کی وجہ سے بھی اور اگر کوئی نبی صاحبِ سلطنت بھی نہ ہو تاہم ان میں فطری طور پر ایک شانِ جلالت ایسی ہوتی ہے کہ سب پر اُس کا اثر ہوتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے باب[۲] میں ارشاد ہے: ﴿وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا﴾

اہلِ خاندان کو فائدہ

اس کے علاوہ ایک اور خاص نفع بھی خاندان کو پہنچتا ہے جو دوسروں کو نہیں پہنچتا

(۱) مشائخ سے نسبت ہونے سے وقعت ہوتی ہے (۲) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ارشاد ہے۔

وہ یہ کہ جس خاندان میں کوئی نبی یا ولی یا شیخ ہو اس کے بعضے فیوض خاصہ خاص خاندان والوں ہی کو پہنچتے ہیں دوسرے لوگ خاندان والوں کے درجہ میں اُن فیوض خاصہ سے مستفید نہیں ہوسکتے وجہ اس کی یہ ہے کہ اہلِ خاندان کو اُس نبی سے ایک خاص فطری مناسبت ہوتی ہے جدید مناسبت اور تعلق پیدا کرنے کی اُن کو ضرورت نہیں ہوتی، دوسرے وہ لوگ ہر دم اُن کے حالات سے زیادہ واقف ہوتے ہیں ان کے مزاج کو خوب پہچانتے ہیں ان کے جزئیات احوال کا علم ان کو دوسروں سے زیادہ ہوتا ہے کیونکہ ہر وقت وہ ان کی پیشِ نظر ہوتے ہیں اجنبی آدمی دو چار مہینے میں کیا معلوم کرسکتا ہے اسی واسطے مشہور ہے صاحب البیت ادریٰ بمافیہ گھر والا خوب جانتا ہے کہ گھر میں کیا ہے علماء کی اہل کو اور مشائخ کی اہل کو ان کی ہر وقت کی صحبت ہوتی ہے عام لوگوں کو ان کے برابر اطلاع نہیں ہوسکتی، ہاں یہ ممکن ہے کہ کوئی اجنبی آدمی بوجہ خلوص اور محبت زائدہ کے ان سے زیادہ فائدہ حاصل کرجائے مگر ایسے اجنبی کم نکلیں گے اجنبی آدمی کو شیخ سے مناسبت تامہ اور درجۂ فنا حاصل کرنا سہل نہیں (۱) کسی کسی کو ایسا ہو بھی جائے تو شاذ و نادر بات ہے (۲) عادت غالبہ یہی ہے (۳) کہ جس قدر قُرب ہوتا ہے اُسی قدر نفع ہوتا ہے اور زیادہ قُرب خاندان والوں کو ہوتا ہے اور ان میں بھی بالخصوص گھر والوں کو اسی لئے مثل مشہور ہے اھل البیت ادریٰ بمافیہ۔ گھر والوں کو خوب معلوم ہوتا ہے کہ گھر میں کیا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد نکاح کرنے کی حکمت

یہ بھی ایک حکمت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد بیبیاں کیں کیونکہ وہ ان

(۱) اجنبی آدمی کے لئے بزرگوں سے تعلق قائم کرنا مشکل ہوتا ہے (۲) ایسا بہت کم ہوتا ہے (۳) عموماً ایسا ہی ہوتا ہے۔

احکام کو جو عورتوں کے ساتھ مخصوص ہیں مشاہدہ کے سبب (۱) دوسروں سے زیادہ سمجھ سکتی تھیں اور دوسری عورتیں تو صرف سوال اور استفتاء (۲) کر کے معلوم کرسکتی تھیں پھر اول تو سوال ہر ہر جزئی کا دشوار ہوتا ہے گاہ گاہ کسی بات کو پوچھ سکتے ہیں (۳) دوسرے استفتاء کرنے والا اُس بات کو پوچھے گا جو اُس کے نزدیک سوال کے قابل ہوگی تو ایسا بہت ممکن ہے کہ اس کے علاوہ اور باتیں بھی دریافت کے قابل ہوں جن کی طرف اُس کو التفات بھی نہ ہو۔ اس لئے استفسار کے ذریعہ سے ہر حال کو معلوم نہیں کیا جاسکتا بخلاف اس کے جو شخص ہر وقت پاس رہتا ہے اس کو بدون پوچھے ہی بہت سی باتیں خود بخود معلوم ہوتی رہیں گی اِس لئے بھی آپ نے متعدد نکاح کئے تا کہ ایسے احکام کا بھی اور آپ کی اندرونی حالت کا علم بھی ان متعدد بیبیوں کو ہوجائے تو وہ بآسانی بہت زیادہ عورتوں کو تبلیغ کرسکیں گی۔

ازواجِ مطہرات کا علم

چنانچہ اسی قُرب وخصوصیت کی وجہ سے عورتوں میں تو ازواجِ مطہرات کا علم زیادہ تھا بہت سے مَردوں سے بھی زیادہ تھا چنانچہ بہت دفعہ بعض اکابر صحابہ کو ان کی احتیاج پڑتی تھی (۴) بالخصوص حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا علم تو بہت ہی زیادہ تھا صحابہ مشکل مسائل میں بکثرت آکر تشفی وتسلّی حاصل کرتے تھے (۵)۔

پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعداد ازواج میں یہ بھی حکمت تھی کہ گھر والے زیادہ ہوں گے تو احکامِ مخصوصہ کا علم بھی اُن کو پوری طرح ہوگا ایک یا دو عورت

---

(۱) دیکھنے کی وجہ سے (۲) پوچھ کر (۳) ہر ہر بات کا سوال مشکل ہے کبھی کبھی کسی بات کو پوچھ سکتے ہیں (۴) ان سے مسائل پوچھنے کی ضرورت پڑتی تھی (۵) تسکین حاصل کرتے۔

سے اس قدر مسائل کا احاطہ عادۃً ضرور دشوار ہوتا(۱) غرض کہ قُرب کو زیادتِ فیض میں بہت بڑا دخل ہے۔

غالی صوفیاء کی خام خیالی

اِسی بناء پر بعض لوگوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے سوال کیا تھا ((هل خصكم رسول الله ﷺ بشئ دون الناس)) کہ حضرت ''کیا آپ کو رسول اللہ ﷺ نے کچھ خاص علوم ایسے عطا فرمائے ہیں جو اور آدمیوں کو نہیں بتلائے'' بعض لوگوں کا یہ خیال تھا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو چونکہ حضور ﷺ سے زیادہ قُرب ہے اس لئے ممکن ہے کہ ان کو کچھ اسرار وغیرہ کی باتیں دوسروں سے الگ بتلا دی ہوں جیسا کہ اب بھی بعض غلاۃ صوفیاء (۲) کا یہ خیال ہے سواُس وقت بھی بعض لوگ اِس خیال کے پیدا ہوگئے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے ہی تشیع کی بنیاد قائم ہوگئی تھی (۳) بعض لوگ ان کو حضرات شیخین سے بھی افضل سمجھنے لگے تھے چنانچہ یہ سوال بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایسے ہی لوگوں نے کیا تھا۔

من گھڑت حکایت

اور بعض غلاۃ صوفیاء نے تو اس میں یہاں تک زیادتی کی ہے کہ اِس بارے میں ایک روایت گھڑی ہے کہ شبِ معراج میں حق تعالیٰ نے حضور ﷺ سے نوے ہزار کلمات کے ساتھ تکلّم فرمایا تھا۔ تیس ہزار تو عام لوگوں تک پہنچانے کے تھے اور تیس ہزار خواص کے لائق تھے اور تیس ہزار اخص الخواص کے لائق اسرار تھے، آپ نے امتحان کے لئے پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بلایا اور اُن سے پوچھا کہ

(۱) عموماً مشکل ہوتا ہے (۲) غلو میں مبتلا صوفیاء کرام (۳) مذہب شیعیت کی بنیاد پڑ چکی تھی۔

اگر میں تم کو وہ خاص اسرار بتلادوں تو تم کیا کروگے، انہوں نے جواب دیا کہ میں پہلے سے زیادہ عبادت کروں گا، آپ نے فرمایا کہ تم اس قابل نہیں، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان سے بھی یہی سوال کیا وہ بولے کہ میں خلق اللہ کی بہت خدمت کروں گا آپ نے فرمایا کہ تم بھی اس قابل نہیں، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بلایا نہ معلوم انہوں نے کیا جواب دیا آپ نے فرمایا کہ تم بھی اس قابل نہیں، پھر آپ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بلایا اُن سے بھی وہی سوال کیا کہ اگر ہم تم کو خاص اسرار بتلادیں تو تم کیا کروگے؟ انہوں نے کہا کہ میں پردہ پوشی کروں گا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں تم اس قابل ہو پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ سب اسرار ان کو بتلادیئے۔ ظالم نے گھڑنے میں بھی غضب کیا ہے بھلا کوئی اس سے پوچھے کہ تم کو یہ خبر کیسے ہوئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نوے ہزار باتیں حق تعالیٰ نے کی تھیں کیا تم وہاں کھڑے تھے: ﴿اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ وَصّٰكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا﴾ ''کیا تم حاضر تھے جس وقت اللہ تعالیٰ نے تم کو اس کا حکم دیا'' ایک بزرگ سے کسی نے یہی سوال کیا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے معراج میں حق تعالیٰ کی کیا کیا باتیں ہوئیں انہوں نے اُس کا عجیب جواب دیا فرمایا ؎

اکنوں کرا دماغ کہ پُرسد زباغباں　　بلبل چہ گفت وگل چہ شنید وصبا چہ کرد(۱)

کہ اس وقت کس کی جرأت ہے جو ان باتوں کو پوچھ سکے یا کس کی ہمت ہے کہ معلوم کرسکے اور بیان کرسکے قیامت کے دن جب حقائق کا انکشاف ہوگا(۱) اس وقت پوچھنا تو شاید بتلادیا جاوے۔ پھر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان

(۱) ''کس کی ہمت ہے کہ باغبان سے یہ پوچھے کہ بلبل نے کیا کہا اور پھول نے کیا سنا اور بادِ صبا نے کیا کیا''۔

حضراتِ صحابہ کو تنہائی میں اُن سے بلاکر یہ سوال کیا تھا کیا تم وہاں حاضر تھے اور یہ سوال وجواب کھڑے سن رہے تھے یہ قصے بالکل غلط اور موضوع ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد

بہرحال اس قسم کے خیالات اس زمانہ میں بھی پیدا ہونے لگے تھے اور اسی وقت سے یہ باتیں مشہور چلی آرہی ہیں یا تو نقل در نقل آرہی ہیں یا یہ کہا جائے کہ آجکل کے شیعوں اور جاہل صوفیوں کے دل میں بھی وہی باتیں آتی ہیں جو پہلے لوگوں کے دل میں آتی تھیں: ﴿تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ﴾ ''ان سب کے قلوب باہم ایک دوسرے کے مشابہ ہیں'' اور منشاء ان خیالات کا یہ تھا(۲) کہ حضرت علی کرم اللہ وجہ کی ذکاوت اور نور فہم اعلیٰ درجہ کا تھا(۳) ان کے قضاء یا فیصلے اور حکیمانہ اقوال بہت عجیب وغریب ہوتے تھے جس سے بعض لوگوں کو یہ شبہ ہوتا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کچھ خاص اسرار دوسروں سے علیحدہ بتلائے ہیں اس وجہ سے یہ سوال کیا گیا جس کا جواب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بڑی تاکید کے ساتھ قسمیں کھا کر یہ دیا ((والذی فلق الحبة وبرأ النسمة ما خصنا رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم بشیء من العلم الا فهما فی کتاب اللّٰه یوتیه من یشا))(۴) ''قسم اس ذات کی جس نے جان کو پیدا کیا اور دانہ کو پھاڑا (اور اس میں سے درخت وغیرہ کو نکالا) کہ ہم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی چیز کے ساتھ خاص نہیں کیا مگر وہ باتیں جو اس صحیفے میں ہیں یا وہ فہم جو انسان کو قرآن سمجھنے کے لئے عطا ہوا'' اور صحیفہ میں تو بعض احکام زکوٰۃ اور صدقہ وغیرہ کے متعلق تھے جو دیگر صحابہ کو بھی

---

(۱) جب حقیقت واضح ہوگی (۲) ان خیالات کا سبب یہ تھا (۳) ذہانت اور سمجھداری بہت زیادہ تھی

(۴)شرح العقیدة الطحاویة للحوالی :۱/۱۷۹۲۔

معلوم تھے اور فہم ایسی چیز ہے جو حضور ﷺ کے دینے کی نہ تھی ہاں یہ نعمت حق تعالیٰ کے دینے کی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جواب کا حاصل ظاہر ہے یعنی جن لوگوں کا میری نسبت یہ خیال ہے کہ حضور ﷺ نے مجھے خاص علوم بتلائے ہیں یہ خیال بالکل غلط ہے۔ البتہ حق تعالیٰ نے مجھے قرآن کی فہم عطا فرمائی ہے جس کی وجہ سے یہ عجیب وغریب فیصلے اور حکیمانہ اقوال میری زبان سے نکلتے ہیں۔

بعض لوگوں کی بدعقلی

مگر بعض لوگ پھر بھی ایسی بھدی طبیعت کے تھے (۱) کہ ان کا خیال نہ بدلا اور انہوں نے یہ سمجھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تقیہ کرتے ہیں اور بات کو چھپانا چاہتے ہیں چنانچہ اب بھی بعض نادان معتقد اپنے شیخ کے بارے میں کچھ سے کچھ خیال پکا لیتے ہیں اور اگر وہ اس کی تردید کریں تو یوں کہتے ہیں کہ یہ حضرت کی تواضع ہے، حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں ایک دیہاتی شخص نے دوسرے سے آہستہ سے کہا کہ حضرت نے جو فلاں مسجد کی درستی کا اہتمام فرمایا ہے حضرت کو کشف ہوا تھا مولانا نے یہ بات سن لی۔ پکار کر فرمایا کہ مجھ کو کشف وغیرہ کچھ نہیں ہوا جو کوئی میری نسبت ایسا خیال رکھے وہ بالکل غلط ہے، تو وہ صاحب چپکے سے دوسرے آدمی سے کیا کہتے ہیں کہ پڑے کہو انہیں کہنے دو انہیں کشف ہوا تھا۔ اب بھلا اس کا بھی کچھ علاج ہے کہ شیخ کی تردید کے بعد بھی اس کی بات نہیں مانی جاتی اور اپنے اعتقاد پر اصرار کیا جاتا ہے۔

---

(۱) بُری طبیعت کے حامل تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی قرآن فہمی کی وجہ

یہی حال حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعض معتقدوں کا تھا کہ وہ پھر بھی اپنے اسی خیال پر جمے رہے حالانکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ قسم کھا کر اس کی غلطی ظاہر کر چکے اور بتلا چکے کہ مجھے کوئی خاص علم قرآن و حدیث کے سوا حاصل نہیں البتہ قرآن کا فہم حق تعالیٰ نے مجھے عطا فرمایا ہے اگر یہ کوئی خاص بات ہو تو ہو اس کا مطلب یہ نہ تھا کہ دوسرے صحابہ کو قرآن کا فہم نہ تھا مطلب یہ ہے کہ مجھے قرآن کا فہم حق تعالیٰ نے کچھ دوسروں سے زیادہ عطا فرمایا ہے، چنانچہ آپ کا یہ مقولہ تھا کہ "اگر میں سورۂ فاتحہ کی تفسیر لکھنے بیٹھوں تو ستر اونٹوں کا بوجھ ہو جائے اور ختم نہ ہو" اور غالب وجہ ان علوم کی حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قُربِ خاص تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیونکہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد تھے اور داماد بمنزلہ اولاد کے ہوتا ہے۔ دوسرے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی بھی تھے۔ اور چچا بھی کیسے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جان نثار۔ اگرچہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لائے مگر طبعی محبت کی وجہ سے انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت خدمت اور حمایت کی تھی مگر آہ! وہ کام نہ آئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ بزرگوں سے اگر طبعی محبت ہو اور عقلی نہ ہو تو ہیچ ہے۔

کفار کے درجات میں فرق

اور یہ مطلب نہیں کہ اس سے دنیا میں بھی نفع نہ ہوگا۔ دنیا میں تو اس سے کچھ نہ کچھ نفع ہو ہی جائے گا کیونکہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ﴾(۱)

(۱) "جو شخص دنیا کی نیت رکھے گا ہم ایسے شخص کو دنیا میں جتنا چاہیں گے جس کے واسطے چاہیں گے فی الحال ہی دیدینگے" سورۂ بنی اسرائیل: ۱۸۔

مگر آخرت میں کچھ نفع نہیں ہوتا: ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ﴾ (۱) پس کفار جو کچھ اعمال صالحہ کرتے ہیں اُس سے دنیا میں ان کو کچھ مل جاتا ہے بلکہ بعض دفعہ اتنا ملتا ہے کہ مسلمانوں کو بھی نہیں ملتا اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ان کو سارا ثواب یہیں دے دیا جاتا ہے اور مسلمانوں کا ثواب آخرت کے لئے ذخیرہ ہوتا ہے اس لئے دنیا میں اُن کو زیادہ فراخی کم میسر ہوتی ہے (۲) اور نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ آخرت میں بھی گو نجات کا نفع نہ ہو (۳) مگر پھر بھی کفار کے عذاب میں تفاوت ہوگا (۴) جیسا کہ اہلِ ایمان کے درجات میں تفاوت ہوگا۔ تو جس کا کفر اشد ہوگا (۵) اُس کو عذاب بھی سخت ہوگا اور جس کا کفر خفیف ہوگا (۶) اس کو پہلے شخص کی بہ نسبت عذاب بھی کم ہوگا اس کی ایک دلیل تو یہ ہے کہ جہنم کے لئے درجات اور طبقات مختلف ہونا نصوص سے معلوم ہوتا ہے: ﴿اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ﴾ (۷) فرماتے ہیں کہ ''منافقین جہنم میں سب سے نیچے کے طبقہ میں ہوں گے'' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جہنم کے نیچے کہ طبقہ میں عذاب سخت ہے تو جو لوگ اوپر کے طبقہ میں رہیں گے ان کا عذاب منافقین سے ہلکا ہوگا۔

آخرت میں ابوطالب کا حال

دوسرے ابوطالب کے بارے میں حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوطالب نے آپ کے ساتھ بہت جاں نثاری کی تھی اس سے کچھ ان کو نفع بھی ہوا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((نَعَمْ لَوْلَا اَنَا لَكَانَ فِي الدَّرْكِ

(۱) ''یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کے لئے آخرت میں سوائے دوزخ کے اور کچھ نہیں'' سورۂ ھود: ۱۶ (۲) کشادگی کم میسر آتی ہے (۳) اگرچہ نجات کا فائدہ نہ ہو (۴) فرق ہوگا (۵) جس کا کفر زیادہ سخت ہوگا (۶) جس کا کفر ہلکا ہوگا (۷) سورۂ نساء: ۱۴۵۔

الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَالْآنَ فِیْ رِجْلِہٖ نَعْلَانِ مِنَ النَّارِ یَغْلِیْ بِہٖ دِمَاغُہٗ))
(او کما قال) کہ ’’بے شک ان کو میری نصرت وحمایت سے نفع ہوا ہے اگر میں نہ ہوتا تو وہ جہنم کے نیچے والے طبقے میں ہوتے اور اِس وقت صرف ان کے پیروں میں دو جوتیاں آگ کی ہیں جن سے ان کا بھیجا پکتا ہے‘‘۔ مگر اس کے باوجود پھر بھی افسوس کے ساتھ یہی کہا جاتا ہے کہ ابوطالب کی طبعی محبت کام نہ آئی کیونکہ اصل نفع تو یہ ہے کہ جہنم سے نجات ہوجائے سو یہ اُن کو حاصل نہیں ہوا۔ باقی عذاب کا کم ہوجانا یہ بھی اگرچہ ایک قسم کا نفع ہے جس کا نفع ہونا خود ان کو بھی معلوم نہ ہوگا کیونکہ اس وقت وہ اگرچہ پوری طرح آگ میں نہیں ہیں صرف آگ کی دو جوتیاں ان کے پیروں میں ہیں جن سے ان کا دماغ پکتا ہے مگر وہ اب بھی یہی سمجھتے ہوں گے کہ مجھ سے زیادہ کسی کو عذاب نہیں۔

کفار کے باہم عذاب میں تفاوت کی دلیل

تیسری دلیل کفار کے عذاب متفاوت ہونے کی عقلی ہے وہ یہ کہ بعض کفار بہت ظالم ہوتے ہیں کوئی فرعون ہے کوئی غریب کمزور تو ظاہر یہ ہے کہ ان کے عذاب میں بھی تفاوت ہوگا مگر جتنا جس کے لئے تجویز ہوجائے گا پھر اس سے کم نہ ہوگا اور ابدالآباد کے لئے جہنم سے نکلنا بھی نصیب نہ ہوگا۔

غرض ابوطالب کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت اور نصرت کا یہ حال تھا کہ باوجود اختلافِ دین کے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بے حد جان نثار تھے اور آپ کو بھی اُن سے بہت محبت تھی اور اُن کے ایمان نہ لانے کا آپ کو افسوس اور قلق بھی بہت تھا پھر ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قُرب بھی بہت تھا ایک تو چچا تھے دوسرے آپ کے مربّی تھے کہ عبدالمطلب کے انتقال کے بعد انہوں ہی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کی طرح

بلکہ اولاد سے زیادہ محبت کے ساتھ پرورش کی۔ تو حضور ﷺ اُن کے اس احسان کو کب بھول سکتے تھے۔

حضور ﷺ کا اپنے محسنین کے ساتھ برتاؤ

بھلا ان کو تو آپ کیسے بھولتے غیروں کے بھی ذرا سے احسان کو آپ نہیں بھولتے۔ غزوۂ بدر میں جب حضور ﷺ نے ستر کافروں کو قتل اور ستر کو قید کیا اور مقتولین کو ایک کنویں میں ڈلوادیا اس کے بعد آپ نے ان ستر آدمیوں کی نسبت جو کہ قید ہو کر آئے تھے فرمایا: ((لَوْ کَانَ مُطْعِمُ بِنُ عَدِیُ حَیًّا وَ کَلَّمَنِیُ فِیُ ھؤلاء النتنی لترکتھم لہ اھ))(۱) کہ اگر مطعم بن عدی زندہ ہوتے اور مجھ سے ان سڑیل کافروں کی نسبت کچھ کہتے تو میں ان کی خاطر ان سب کو چھوڑ دیتا اور فدیہ معاف کر دیتا راوی حدیث اس حدیث کو بیان کر کے اخیر میں کہتے ہیں ((لیشکر لہ)) کہ اس بات سے آپ مطعم بن عدی کے ایک احسان کا شکریہ ظاہر فرمانا چاہتے تھے اور وہ احسان یہ تھا کہ جب حضور ﷺ طائف سے واپس ہوئے اور اہلِ طائف نے ایمان قبول نہ کیا بلکہ آپ کے ساتھ گستاخی سے پیش آئے اور لڑکوں شہدوں کو آپ کے پیچھے لگادیا کہ وہ کمبخت آپ کے اوپر ڈھیلے پتھر پھینکتے تھے تو آپ وہاں سے مغموم ہو کر لوٹے اور مکہ کے قریب آ کر ٹھہرے (۲) اور مطعم بن عدی کو یہ کہلا کر بھیجا کہ میں مکہ میں داخل ہوتے ہوئے ڈرتا ہوں کہیں مکہ والے مجھ کو ایذا نہ دیں اگر تم مجھ کو اپنی پناہ میں لے لو تو میں مکہ میں آجاؤں چنانچہ مطعم بن عدی نے بیت اللہ میں کھڑے ہو کر کفار مکہ سے خطاب کر کے کہہ دیا

---

(۱) سنن لأبی داؤد: ۲۶۸۹ (۲) یہ روایت سیرت صلبیہ جلد اول اور دیگر کتب سیر میں موجود ہے ۱۲ ظفر احمد عثمانی۔

کہ ''محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو میں نے پناہ دی ہے وہ میری حمایت میں ہیں خبردار ان کو کوئی تکلیف نہ پہنچائے'' اس کے بعد آپ مکہ تشریف لائے۔ تو غزوۂ بدر میں آپ کو اُس کا یہ احسان یاد آیا(۱) اور یہ فرمایا کہ اگر آج وہ زندہ ہوتا اور ان سڑیل کافروں کی سفارش مجھ سے کرتا تو میں اُس کی سفارش قبول کر لیتا اور ان سب کو چھوڑ دیتا تو جب آپ غیروں کا اتنا احسان مانتے تھے تو اپنوں کو تو آپ کہاں بھول جاتے۔

محسنین کے والدین سے حسنِ سلوک

ایک تو یہ مقدمہ ہوا دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ نصوص سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ شکر کا متمم یہ بھی ہے کہ اگر وہ محسن نہ ہو تو اُس کی اولاد کے ساتھ احسان کیا جائے۔ حدیث میں آتا ہے کہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے باپ کے مرجانے کے بعد اُس کا حق میرے ذمہ کیا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کے دوستوں کے ساتھ احسان کرو اور جو قرابت اُس کی وجہ سے ہے اُس کے ساتھ صلہ رحمی کرو، تو جب دوستوں کے ساتھ احسان کرنے سے بھی باپ کا حق ادا ہوتا ہے تو اس کی اولاد کے ساتھ احسان کرنے سے اس کا حق کیونکر نہ ادا ہوگا۔

---

(۱) آجکل جو ترک موالات کے لئے ترکِ تعلقات کو لازم سمجھتے ہیں وہ اس واقعہ سے سبق حاصل کریں کہ مطعم بن عدی باوجودیکہ متمرد مشرک ہے جس کے ساتھ ترکِ موالات کا شرعاً حکم ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کی پناہ قبول کرتے ہیں بلکہ اُس سے فرماتے ہیں کہ تم مجھ کو اپنی پناہ میں لے لو تو اگر ترکِ موالات کے لئے ترک تعلقات ضروری ہے تو کیا نعوذ باللہ آپ نص قرآنی کے خلاف کفار سے موالات کرتے تھے اس کو تو کوئی مسلمان تسلیم نہیں کرسکتا لیڈرانِ قوم ذرا آنکھیں کھول کر دیکھیں ۱۲۔ ظفر احمد عثمانی۔

ماں باپ کی نیکیوں کا اولاد کو فائدہ

دوسری دلیل حضرت موسیٰ اور خضر علیہما السلام کا واقعہ ہے جو قرآن میں مذکور ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام کے ساتھ رہنا چاہا تو انہوں نے فرمایا کہ آپ میرے معاملہ پر صبر نہ کرسکیں گے کیونکہ آپ بعض باتوں کو خلافِ شریعت دیکھ کر پریشان ہوں گے چونکہ موسیٰ علیہ السلام کو وحی کے ذریعہ سے خضر علیہ السلام کا مقبولِ خدا ہونا معلوم ہوچکا تھا اس لئے وعدہ فرمالیا کہ ان شاء اللہ تعالیٰ میں سب باتوں پر صبر کروں گا، خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ پھر شرط یہ ہے کہ کسی بات پر مجھ کو ٹوکا نہ جائے جب تک میں خود ہی اس کی حقیقت نہ بتلادوں۔

غرض اس قول وقرار کے بعد دونوں حضرات تشریف لے چلے راستہ میں دریا پڑا اور دونوں ایک کشتی پر سوار ہوئے کشتی والے خضر علیہ السلام کو پہچانتے تھے دونوں کو سوار کرلیا، خضر علیہ السلام نے پہلی بات یہ کی کہ اُس کشتی کا ایک تختہ بیچ میں سے نکال دیا جس سے پانی بھر کر غرق ہوجانے کا خوف تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام اِس حرکت سے بے چین ہوگئے کہ ایک تو کشتی والوں نے ہم پر احسان کیا اس کا بدلہ شکر کی جگہ ان کو یہ دیا کہ کشتی غرق کرنے کا کام کیا، انہوں نے خضر علیہ السلام سے کہا یہ کیا بات ہے کیا تم کشتی والوں کو غرق کرنا چاہتے ہو یہ تو بہت ہی بیجا بات ہے، خضر علیہ السلام نے کہا کہ دیکھئے میں کہتا نہ تھا کہ آپ سے میرے معاملات پر صبر نہ ہوسکے گا، موسیٰ علیہ السلام نے معذرت کی کہ مجھ کو یاد نہ رہا تھا اس مرتبہ معاف کرو۔

پھر آگے چلے تو ایک نابالغ معصوم بچہ کو خضر علیہ السلام نے مار ڈالا۔ موسیٰ علیہ السلام سے اس پر بالکل نہ رہا گیا اگرچہ شرط یاد تھی مگر ایک معصوم کے قتل پر بے چین ہوگئے۔ اور پھر خضر علیہ السلام کو ٹوکا کہ یہ تو تم نے بڑا بھاری جرم کیا کہ ایک

معصوم کو ناحق مار ڈالا انہوں نے پھر وہی شرط یاد دلائی، موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اس کے بعد اگر میں ٹوکوں تو پھر آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھئے گا۔

پھر ایک گاؤں میں پہنچے ان صاحبوں کو بھوک لگ رہی تھی گاؤں والوں سے دعوت کی درخواست کی کہ ہماری دعوت ضیافت کرو وہ ایسے ظالم تھے کہ صاف جواب دے دیا یہ بھی نہ دیکھا کہ ہم سے دعوت مانگ رہے ہیں پورے ہی کم قسمت تھے کہ ایسے لوگ خود دعوت مانگیں اور وہ ٹکا سا جواب پکڑا دیں، خیر یہ دونوں حضرات خاموش ہو رہے اس کے بعد خضر علیہ السلام نے اس گاؤں میں ایک دیوارِ شکستہ دیکھی جو گرا چاہتی تھی اس کو انہوں نے ہاتھ سے اشارہ کر کے کرامت کے طور پر سیدھا کر دیا موسیٰ علیہ السلام تو صاحبِ جلال تھے ان سے نہ رہا گیا فرمایا کہ جس بستی کے لوگوں نے ہمارے ساتھ ایسی بے مروتی کی اُن کے ساتھ آپ کو اس مروت کی کیا ضرورت تھی اگر دیوار گر پڑتی اچھا ہوتا کہ گر پڑتی اور اگر آپ کو ایسا ہی مروت کا جوش تھا تو اُجرت لے کر درست کی ہوتی تا کہ اس اُجرت ہی سے ہم کھانا وغیرہ خرید کر کھا لیتے۔ خضر علیہ السلام نے کہا کہ بس حضرت اب ہماری اور آپ کی جدائی ہے آپ نے دوسری شرط کو بھی نہ نباہا۔

اس کے بعد خضر علیہ السلام نے سب باتوں کی حقیقت بتلائی کہ میں نے کشتی کا تختہ اس لئے توڑا تھا کہ پیچھے ایک ظالم بادشاہ صحیح سالم کشتیوں کو غصب کرتا ہوا آ رہا تھا میں نے چاہا کہ یہ کشتی ضبط نہ ہو کیونکہ اس کے مالک ہمارے محسن تھے اس لئے میں نے اُس میں عیب ڈال دیا اور جب وہ اس کو چھوڑ کر چلا گیا پھر کشتی والوں نے درست کر دیا اور لڑکے کو اس لئے قتل کیا کہ اس کی تقدیر میں یہ لکھا ہوا تھا کہ اگر یہ بالغ ہوگا تو کافر ہو جائے گا اور اس کے والدین مسلمان تھے اور ان کو اُس سے محبت بہت تھی اگر یہ بڑا ہو کر کافر ہوتا تو اندیشہ تھا کہ ماں باپ بھی اس کی وجہ سے

کافر ہوجاتے اس لئے میں نے اس کو مار ڈالا۔ اور دیوار کو میں نے اس لئے درست کیا کہ اس کے مالک دو یتیم تھے جن کا خزانہ اُس کے نیچے دبا ہوا تھا اگر وہ گر پڑتی تو اُن کا خزانہ لٹ جاتا اس کے بعد یہ بھی فرمایا: ﴿وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ۖ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ﴾(۱)

''اوران کا باپ نیک شخص تھا تو خدا نے چاہا کہ وہ دونوں یتیم جوان ہوکر اپنا خزانہ خود نکال لیں یہ رحمت تھی خدا تعالیٰ کی طرف سے'' اس جگہ پر مفسرین نے متنبہ فرمایا ہے کہ: ﴿وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس رحمت میں باپ کی صلاحیت کو بھی دخل تھا اگرچہ مفسرین کی اس تنبیہ کی ضرورت نہ تھی اور نہ اُس تنبیہ پر آیت کی دلالت کا مدار ہے عقل سے خود یہ بات آیت سے معلوم ہوتی ہے کہ اگر باپ کی صلاحیت کو خضر علیہ السلام کے فعل میں کچھ بھی دخل نہ ہوتا تو ان کو اس جملہ کے بڑھانے کی کیا ضرورت تھی: ﴿وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا﴾ مگر خدا تعالیٰ مفسرین کو جزائے خیر دے کہ وہ بدیہی باتوں پر بھی تنبیہ کر دیتے ہیں تاکہ اگر کسی کو اس طرف التفات نہ ہو تو التفات ہوجائے اور سچی بات یہ ہے کہ بعض باتیں تو مفسرین کے بیان کے بعد بدیہی معلوم ہوتی ہیں اگر وہ بیان نہ کرتے تو شاید اُدھر التفات ہی نہ ہوتا ان کے بتلانے کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ غرض اس واقعہ سے معلوم ہوگیا کہ آباؤ اجداد کی برکت سے بھی اولاد کو نفع ہوتا ہے۔

کفار کو والدین کی نیکی کا کوئی فائدہ نہیں

مگر یہ مؤمنین کے واسطے ہے اور کفار کے بارے میں یہ ارشاد ہے: ﴿فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ﴾(۲) نہ اُن میں تعلقات رہیں گے نہ آپس

(۱) سورۂ کہف: ۸۲ (۲) سورۂ مومنون: ۱۰۱۔

میں ایک دوسرے کا حال پوچھیں گے۔

ماں باپ کی وجہ سے آخرت کے درجات کی بلندی

مؤمنین کی اولاد کے بارے میں ایک آیت میں صاف موجود ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ﴾(۱) ”جولوگ ایمان والے ہیں اور ان کی اولاد نے بھی ایمان میں اُن کا اتباع کیا ہوتو ہم اُس اولاد کو آباؤ اجداد ہی سے ملادیں گے“ یعنی اگر اولاد کا درجہ کم ہوگا اور باپ کا درجہ بلند ہوگا تو اس اولاد کو بھی باپ ہی کے درجہ میں کردیں گے تاکہ اولاد کے قرب سے آباء کو انس زیادہ ہو۔ آگے فرماتے ہیں: ﴿وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ﴾(۲) یعنی ”اُن باپ دادوں کے اعمال میں سے ہم کچھ کم نہ کریں گے۔ اس میں بعض وہمیوں کے شبہ کا جواب ہے وہ یہ کہ اولاد کو باپ کے پاس پہنچانے کی یہ بھی ایک صورت ہوسکتی ہے کہ اولاد کے اعمال تو ادنیٰ درجہ ملنے کے قابل ہیں اور باپ کے اعلیٰ درجہ کے تو کچھ باپ کے اعمال کم کرکے اولاد کی طرف لگادیئے جائیں اور اوسط نکال کر دونوں کو درمیانی درجہ میں رکھ دیا جائے کچھ باپ کی طرف کم کردیا اور کچھ اولاد کی طرف بڑھادیا، تو فرماتے ہیں یہ صورت نہ ہوگی آباء کے اعمال میں کمی نہ کی جائے گی بلکہ ابناء کے اعمال میں زیادتی کرکے ان کو اسی درجہ میں پہنچادیں گے جہاں اُن کے آباء ہیں باقی اس کے علاوہ جو اس آیت میں تحقیقات ہیں وہ تفسیر سے معلوم کرلی جائیں اس وقت میں تفسیر بیان نہیں کرتا محض تائید کررہا ہوں کہ حق تعالیٰ آباؤ اجداد کی وجہ سے اولاد کو بھی نفع پہنچاتے ہیں۔

---

(۱) سورۂ طور: ۲۱ (۲) سورۂ طور ۲۱۔

ابوطالب کے احسانات کا بدلہ

پھر حضور ﷺ جو ((تخلقوا باخلاق اللہ)) کے کامل مظہر تھے آپ عادتِ الٰہیہ پر کیوں عمل نہ کرتے۔ تو کیا آپ ابوطالب کے احسانات کو بھول جاتے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ احسان وشفقت فرما کر ان احسانات کا شکریہ مکمل نہ کرتے؟ نہیں آپ! ضرور کرتے اور کرکے دکھا بھی دیا۔ حضور ﷺ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بہت تعلق تھا جس کو آپ نے مختلف عنوانات سے مختلف اوقات میں ظاہر بھی فرمایا ایک دفعہ ارشاد فرمایا ((مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ))(۱) ”جس کا میں دوست ہوں علی (رضی اللہ عنہ) بھی اس کے دوست ہیں“ اس کے بعد حضرات صحابہ نے نہایت مسرت کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مبارکباد دی کہ ((انت مولانا)) کہ آپ ہمارے دوست (یا آقا) ہیں۔ ایک بار فرمایا: ((أَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُّوْسٰی))”تم کو مجھ سے وہ نسبت ہے جو ہارون علیہ السلام کو موسیٰ علیہ السلام سے تھی“۔ حضراتِ شیعہ اس کو کہاں کہاں لے جاتے ہیں اس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بلافصل کا مسئلہ نکالتے ہیں۔ اس وقت میں اس سے بحث نہیں کرنا چاہتا مگر ان احادیث سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے قرب اور تعلق بہت تھا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت

اور قُربِ حسی تو ضرور ان سے زیادہ تھا گو قرب معنوی بعض صحابہ کو زیادہ ہو جیسا کہ واقعات شاہد ہیں چنانچہ حضور ﷺ کے وصال کے بعد تمام صحابہ پریشان ہوگئے اگر کوئی شخص مستقل رہنے والا اور ثابت قدم تھا تو وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے اس وقت تمام صحابہ کو معلوم ہوگیا کہ واقعی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہم

(۱) الجامع للترمذی: ۳۷۱۳۔

سب سے افضل اور اعلم ہیں صحابہ کو حضور ﷺ کی وفات ایک عجیب بات معلوم ہوتی تھی اُس وقت اُن کے خیال سے وہ آیات بھی غائب ہوگئیں جن میں حضور ﷺ کی وفات کی بابت ذکر تھا کہ آپ کا بھی کسی وقت وصال ہوجائے گا جیسا کہ دوسرے انبیاء علیہم السلام گذر گئے اور عام لوگ وفات پاتے ہیں جس وقت حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے منبر پر کھڑے ہوکر یہ آیات پڑھیں: ﴿مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ ؕ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا ؕ وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ﴾ (۱)

﴿اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ﴾ (۲) اس وقت صحابہ کی آنکھیں کھل گئیں اور سب کی زبانوں پر یہی آیتیں تھی یوں معلوم ہوتا تھا کہ یہ آیتیں گویا آج ہی نازل ہوئی ہیں۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ کی فنائیت رسول ﷺ

حضراتِ صوفیاء نے اس واقعہ کا راز بیان کیا ہے کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو حضور ﷺ کے وصال کے بعد بھی آپ سے بُعد نہ ہوا تھا جیسا قرب حیات میں تھا وصال کے بعد بھی ویسا ہی حاصل تھا اس لئے ان کو دوسرے صحابہ کی طرح بدحواسی اور زیادہ پریشانی نہیں ہوئی وہ اسی طرح مستقیم رہے جیسا کہ حضور ﷺ کے سامنے مستقیم تھے یہی وجہ ہے کہ حدیث میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لئے آیا ہے

(۱) ''اور محمد (ﷺ) نرے رسول ہی تو ہیں آپ سے پہلے اور بھی بہت رسول گذر چکے ہیں سو اگر آپ کا انتقال ہوجائے یا آپ شہید ہی ہوجائیں تو کیا تم لوگ اُلٹے پھر جاؤ گے اور جو شخص اُلٹا پھر بھی جاوے گا تو خدا تعالیٰ کا کوئی نقصان نہ کرے گا اور اللہ تعالیٰ جلد ہی عوض دے گا حق شناس لوگوں کو'' سورۂ ال عمران: ۱۴۴ (۲) '''آپ کو بھی مرنا ہے اور ان کو بھی مرنا ہے پھر قیامت کے روز تم مقدمات اپنے رب کے سامنے پیش کروگے'' سورۂ زمر: ۳۰۔۳۱۔

((لَوْ کَانَ بَعْدِیْ نَبِیًّا لَکَانَ عُمَرُ)) اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر ہوتے اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ بات نہیں فرمائی اس کے جواب مختلف طور پر علماء نے دیئے ہیں مگر مجھ کو اپنے استاد رحمۃ اللہ علیہ کا جواب زیادہ پسند ہے

ع ولـلـنـاس فیـمـا یعشقون مذاهب (۱)

مولانا نے اس کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرب اور فنائے تام کا ایسا تعلق تھا کہ وہاں ((بَعدِی)) کہنے کی گنجائش نہ تھی (۲) کیونکہ بعدیت کے لئے غیریت ضروری ہے (۳) اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے گویا غیریت بالکل نہ تھی وہ تو گویا ؎

من توشدم تومن شدی من تن شدم تو جاں شدی
تاکس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری (۴)

کا مصداق تھے اس لئے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے واسطے آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو ابوبکر ہوتے۔ ان میں بعدیت اور غیریت کا مرتبہ ہی نہ تھا۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی معیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم

اور یہ ایسی بات ہے جس کا محض ان نکات پر مدار نہیں بلکہ نصوص قرآنیہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے برتاؤ وغیرہ اس کے لئے کافی دلائل ہیں قرآن میں: ﴿لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا﴾ (۵) فرمایا ہے جس وقت حضرت صدیق رضی اللہ عنہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم

(۱) ہر ایک کی پسند اپنی اپنی (۲) ابوبکر رضی اللہ عنہ کو آپ سے انتہائی قرب تھا وہ گویا آپ کی ذات میں فنا ہو چکے تھے اور دوری ختم ہوگئی تھی اس لئے بعدیت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا (۳) بعدیت کے لئے غیریت ہونا ضروری ہے (۴) ''میں آپ کا ہوگیا آپ میرے ہوگئے میں مثلِ بدن ہوگیا آپ مثلِ جان ہوگئے تاکہ اس کے بعد کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ میں اور آپ دو ہیں'' (۵) ''غم مت کرو خدا تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے'' سورۂ توبہ: ۴۰۔

ہجرت کرنے کے لئے غارِثور میں جا کر چھپے اور کفار نے ان کو تلاش کیا اور غار تک پہنچ گئے یہاں تک کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کو چلتا پھرتا دیکھا تو وہ گھبرا گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر یہ لوگ ذرا اپنے قدموں کی طرف نگاہ ڈالیں تو ہم کو دیکھ لیں گے اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ﴿لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا﴾ ''غم مت کرو خدا تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے''۔ ﴿مَعَنَا﴾ میں حضرت صدیق رضی اللہ عنہ بھی داخل تھے جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کی کامل معیت اور موافقت معلوم ہوتی ہے۔

لوگوں کا اشتیاق

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے برتاؤ تو بکثرت ایسے تھے جن سے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کامل اتحاد صاف صاف معلوم ہوتا ہے بلکہ حق تعالیٰ نے بعض اسباب ایسے جمع کردیئے جن میں اشارہ آپ کے کامل اتحاد کی طرف نکل سکتا ہے چنانچہ ایک اشارہ اسی واقعہ ہجرت سے معلوم ہوگا جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی ہے تو آپ نے اہلِ مدینہ کو تاریخ سے اطلاع نہ دی تھی کہ آپ کس دن مدینہ پہنچیں گے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم (۱) ہر روز مدینہ سے باہر آپ کے اشتیاق میں آتے تھے اور دوپہر کے قریب واپس ہوجاتے تھے۔

لیڈرانِ قوم کی بے ضابطگی

مجھے اس واقعہ سے آجکل کے علماء اور مشائخ کا طرز دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ ان میں یہ عرف اور رسوم خلاف سنت کیوں ہیں کہ پہلے اپنی آمد کی تاریخیں

(۱) باعتبار مایؤل کے صحابہ کہہ دیا آگے آتا ہے کہ ابھی تک ان حضرات نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا بھی نہ تھا ۱۲ ظفر احمد۔

مقرر کرتے ہیں تا کہ اس تاریخ پر ان کا شاندار استقبال ہو پھر کہیں موٹر لے آتے ہیں کہیں گاڑی میں سے گھوڑے کھول کر الگ کئے جاتے ہیں اور آدمی گاڑی کو کھینچتے ہیں اور علماء اور مشائخ ہیں کہ ان باتوں سے خوش ہیں زبان سے منع بھی نہیں کیا جاتا یہ سب وہ تکلفات ہیں جو یورپ سے منقول ہیں مجھے شکوہ ہی نہیں ہے بلکہ افسوس ہے کہ آخر خلاف سنت ان رسوم اور تکلفات کو اپنے لئے کیوں گوارا کیا جاتا ہے پھر بعض دفعہ ان تکلفات میں جانیں تک ضائع ہو جاتی ہیں، کانپور میں ایک قومی لیڈر کے استقبال میں لوگوں نے ایسا ہی کیا کہ گاڑی سے گھوڑے کھول کر الگ کر دیئے اور آدمیوں نے خود گاڑی کھینچی گھوڑے کھل کر بے قابو ہو گئے ایک گھوڑے نے ایسی لات پھینکی کہ ایک آدمی کے ایسی لگی کہ وہ فوراً ہی مر گیا۔ حدود سے تجاوز کرنے کا ہمیشہ یہی انجام ہوتا ہے پھر طرہ یہ کہ اُس وقت ایک عربی خواں لیڈر نے (جن کا میں نام لینا نہیں چاہتا) یہ فتویٰ دیا کہ اس کو غسل وکفن نہ دیا جائے یہ شہید ہوا۔ نہ معلوم انہوں نے کس قاعدہ سے یہ فتویٰ دیا شہید تو وہ ہے جو کافروں کے ہاتھ سے مارا جائے یا کوئی مسلمان آلہ جارحہ سے ظلماً اس کو قتل کر دے تو کیا ان کے نزدیک وہ سب مسلمان کافر تھے یا ظالم بن کر تلواریں لے کر اس پر چڑھ آئے تھے اس فتویٰ کا منشاء صرف یہ تھا کہ اولیاء مقتول ان لوگوں کو گالیاں دیتے کہ ان کم بختوں کے استقبال میں ہمارا آدمی مارا گیا انہوں نے اولیاء مقتول کا جی خوش کرنے کے لئے یہ فتویٰ تراش لیا کہ یہ شہید ہوا ہے مگر کمال یہ ہے کہ اس فتوے کو کسی نے بھی قبول نہ کیا اس کو غسل بھی دیا اور کفن بھی دیا، یہ نتیجہ ہوا گھوڑے کھولنے کا کیونکہ گھوڑا جب تک سوار کے نیچے ہو یا گاڑی میں جُتا ہوا ہو اس وقت تک دبا ہوا رہتا ہے اور جب اس کو کھول کر خالی لے جایا جائے خاص کر ہجوم میں تو وہ ضرور شرارت کرتا اور لاتیں پھینکتا ہے اس حالت میں کسی کے لات لگ جائے اور نازک موقع پر پڑ جائے تو

جان کا ضرور خطرہ ہے مگر عوام تو جوشِ استقبال میں مست ہوتے ہیں اور لیڈر خوشی سے پھولے نہیں سماتے سب کے سب ان حرکات میں مشغول ہوجاتے ہیں اور انجام کو کوئی نہیں سوچتا۔

یہودی کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچاننا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ باتیں کہاں تھیں نہ آپ کو استقبال کی خواہش تھی نہ ان تکلفات کو آپ پسند فرماتے تھے حتی کہ تاریخ سے بھی آپ نے اطلاع نہیں دی تھی حضراتِ صحابہ ہر روز ہتھیار لگا کر مدینہ سے باہر آتے تھے وہ بھی محض استقبال کے لئے نہیں بلکہ اس ضرورت سے کہ مدینہ میں آپ کے مخالف بھی اس وقت تک موجود تھے صحابہ رضی اللہ عنہم ہتھیار لگا کر اس لئے آتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حفاظت کے ساتھ مدینہ میں لائیں، غرض کہ روز آتے تھے اور واپس پھر پھر جاتے تھے اس میں جو لطف ہے وہ تاریخ مقرر کرنے میں کہاں کہ روزانہ شوق کو ترقی ہوتی ہے آخر اس طرح ایک دن دو پہر تک انتظار کر کے بستی کی طرف لوٹ ہی رہے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کی گھاٹیوں میں سے آفتاب و ماہتاب کی طرح نمودار ہوئے ۔

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاعٍ (۱)

اور سب سے پہلے آپ کو ایک یہودی نے دیکھا جو کسی اونچے مقام پر اپنے مال تجارت کی آمد کے انتظار میں چڑھا ہوا تھا اس نے آپ کو دور ہی سے دیکھ کر پہچان لیا کہ رسول للہ صلی اللہ علیہ وسلم یہی ہیں (یعرفونہ کما یعرفون ابناء ھم) یہودی آپ کو اس طرح پہچانتے تھے جیسے آدمی اپنے لڑکوں کو بخوبی پہچانتا ہے کہ کبھی

(۱) ''ہم پر بدر نے طلوع کیا ثنیات الوداع سے۔ ہم پر شکر خدا تعالیٰ کرنا فرض ہے جب تک اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنے والا ہے''

دھوکا ہو ہی نہیں سکتا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ تورات میں حضور ﷺ کا حلیۂ مبارک حتیٰ کہ خط و خال تک بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ اب بھی تورات میں آپ کا حلیہ موجود ہے۔ ''براہینِ رحیمیہ'' ایک کتاب ہے اُس میں مصنف نے تورات کے وہ مضامین نقل کئے ہیں جن میں حضور ﷺ کا حلیہ مذکور ہے۔ اُس یہودی نے حضراتِ صحابہ کو جو ابھی انتظار کرتے کرتے لوٹ رہے تھے آواز دی کہ ((ھذا جدکم)) یہ ہے تمہارا مطلوب یہ ہے تمہارا نصیب۔ یہ ایسا محاورہ ہے جیسے ہمارے یہاں بولتے ہیں کہ ''نصیب جاگ گئے''۔

حضور ﷺ پر بڑھاپے کے آثار

صحابہ فوراً اُلٹے پیروں پھرے دیکھا تو حضور ﷺ اور آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لا رہے ہیں آپ کے ساتھ میں خدمت کے لئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ایک غلام بھی تھا اور ایک شخص راستہ جاننے والا ساتھ تھا آمد کے اول روز کا واقعہ یہ ہے کہ حضراتِ صحابہ جو مدینہ کے رہنے والے تھے اور حضور ﷺ پر غائبانہ ایمان لے آئے تھے وہ حضور ﷺ کو پہچانتے نہ تھے ان کو تامل ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کون سے ہیں تو ظاہر میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بڑے معلوم ہوتے تھے کیونکہ ان کے بال سفید ہوگئے تھے حالانکہ وہ عمر میں حضور ﷺ سے دو سال چھوٹے تھے مگر حضور ﷺ کے قویٰ بہت اچھے تھے آپ کے بال اُس وقت تک بالکل سیاہ تھے حالانکہ اس وقت آپ کی عمر ۵۳ سال کی تھی بلکہ آپ کا اعتدال مزاج اور قویٰ کی عمدگی ایسی تھی کہ ساری عمر بھی آپ کو بڑھاپا نہ آتا مگر حضور ﷺ نے اپنے بڑھاپے کی وجہ ایک حدیث میں خود بیان فرمائی ہے ارشاد فرماتے ہیں ﴿شَيَّبَتْنِي سُوْرَةُ هُوْد﴾[1] کہ مجھے سورۂ ہود نے بوڑھا کر دیا ورنہ

(۱) مشکوۃ المصابیح: ۵۳۵۲۔

مجھے بڑھاپا نہ آتا۔ سورۂ ہود کی وجہ سے آپ کے بوڑھے ہو جانے کی علت مشہور یہ ہے کہ اس میں امم سابقہ کا اور ان پر عذاب نازل ہونے کا ذکر بہت ہے ادھر حضور ﷺ یہ بھی فرماتے ہیں: ((اِنِّیْ اَعْلَمُکُمْ بِاللّٰہِ وَاَخْشَاکُمْ للّٰہ))(۱) کہ میں تم سب سے زیادہ خدا تعالیٰ کی معرفت رکھتا ہوں اور سب سے زیادہ خدا تعالیٰ سے ڈرتا ہوں تو اس سورۃ میں شانِ جلال کا زیادہ ظہور ہے اور جب جلال کا ظہور ہوتا ہے مقربین بھی تھرّا جاتے ہیں ادھر تو آپ کی معرفت اور خشیت کامل اس پر سورۂ ہود میں جلال کا زیادہ ظہور اور عذاب کا بکثرت ذکر، تو خوف وخشیت نے آپ کی قوت کو کمزور اور بالوں کو سفید بنا دیا۔ اور بعض علماء نے کہا ہے کہ سورۂ ہود میں ایک آیت ایسی ہے جس میں حضور ﷺ کو ایک سخت حکم کیا گیا ہے: ﴿فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ﴾ کہ جس طرح آپ سے کہا گیا ہے اسی طرح مستقیم ہو جایئے اور حق تعالیٰ کے ارشاد کے موافق استقامت بڑی بھاری چیز ہے حضور ﷺ خود ارشاد فرماتے ہیں ((استقیموا ولن تحصوا))(۲) کہ مستقیم رہو مگر استقامت کا حق ادا نہیں کر سکتے تو جیسی استقامت حق تعالیٰ کو محبوب ہے ویسی انسان سے عادۃً دشوار ہے اور حضور ﷺ کو یہی حکم دیا گیا ہے کہ جس استقامت کا آپ کو امر ہوا ہے ویسے ہی مستقیم رہیے اِس بارِ عظیم نے آپ کو بوڑھا بنا دیا۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ بھی ایسا مشکل حکم نہ تھا کیونکہ حضور ﷺ تو اسی اسقامت پر جمے ہوئے تھے بلکہ اس کے ساتھ ایک اور حکم ہے وہ بالکل ہی کمر توڑ دینے والا ہے: ﴿فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ﴾ کہ جس طرح آپ کو حکم ہوا ہے اُسی طرح آپ بھی مستقیم رہیے اور آپ کے ساتھ جو ایمان لائے ہیں وہ بھی مستقیم رہیں۔ اس جملہ نے آپ کو کمزور بنا دیا کیونکہ دوسروں کی ذمہ

(۱) کتاب الشفاء: ۲/۳۹۱ (۲) مشکوۃ المصابیح: ۲۹۲۔

داری بڑی مشکل ہے آپ اپنی ذات پر پورا اختیار رکھتے تھے مگر دوسروں کو بھی ویسا ہی مستقیم بنادیں جیسا کہ حکم ہوا ہے یہ بڑا بارِ عظیم تھا اس فکر میں آپ گھلتے رہتے تھے کہ میری طرح سب ہی لوگ پوری طرح مستقیم ہو جائیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متفکر رہنے کی وجہ

تحصیلدار کو اپنی فکر تو ہوتی ہی ہے اپنے عملہ کی بھی فکر ہوتی ہے اگر عملہ میں کوئی خرابی ہوتی ہے تو اس سے تحصیلدار کو بھی ندامت اور شرمندگی ہوتی ہے اسی لئے حدیث میں ہے: ((لا تسودوا وجھی یوم القیٰمة)) کہ قیامت کے دِن میرا منہ کالا مت کردینا یعنی مجھ کو شرمندہ مت کرنا۔ ہمارے اعمالِ بد سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شرمندگی کیسی آپ کو یہ ندامت کیوں ہوگی؟ یہ وہی سنت اِلٰہی ہے جس کو سعدی رحمۃ اللہ علیہ اِس شعر میں فرماتے ہیں ؎

کرم بین ولطف خداوندگار گنہ بندہ کردہ است و او شرمسار

یعنی حق تعالیٰ کا لطف وکرم دیکھو کہ بندہ گناہ کرے اور حق تعالیٰ شرمندہ ہوں اور حق تعالیٰ کو یہ حیاء اس سے ہے کہ ہمارا ہوکر یہ حرکت، یہی سنت حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی ہے آپ فرماتے ہیں کہ ہم کو قیامت میں شرمندہ نہ کرنا یعنی شرمندگی کہ ہمارے کہلا کر یہ حرکت غرض کہ آپ کو اس فکر نے گھلا دیا تھا کہ میں اپنے آپ تو مستقیم بن سکتا ہوں مگر ساتھیوں کا ذمہ دار کون ہو، اس غم نے آپ کو بوڑھا کردیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر امت کے اعمال کی پیشی

پھر یہ غم زندگی ختم ہونے کے ساتھ ختم نہیں ہوگیا افسوس یہ ہے کہ ہمارے ہاتھوں ایسے رحیم وکریم وشفقت ورافت کرنے والے نبی کو وصال کے بعد بھی رنج پہنچتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ ہفتہ میں دو مرتبہ میرے پاس اُمّت کے اعمال

پیش ہوتے ہیں نیک اعمال کو دیکھ کر آپ خوش ہوتے ہیں اور گناہوں کو دیکھ کر غمگین، یہی وہ حقیقت ہے جو اس ایرانی پر منکشف ہوئی تھی جو مرزا قتیل دہلوی کے دیوان کو دیکھ کر اس کو صوفی و عارف سمجھ کر ایران سے اس کی زیارت کو چلا تھا کیونکہ قتیل کا کلام تصوف کے مضامین لئے ہوئے ہوتا تھا پھر جب دہلی پہنچا اور مرزا قتیل سے ملا تو اس کو داڑھی منڈاتے پایا طالب چونکہ آزاد ہوتا ہے اس نے فوراً سوال کیا کہ "آغا ریش می تراشم" (۱) قتیل نے اس کا جواب بھی تصوف کے رنگ میں دیا "بلے ریش می تراشم ولیکن دل کسے نمی خراشم" (۲) ایرانی نے اس کا ایسا پاکیزہ جواب دیا کہ قتیل کا سارا بناوٹی تصوف رکھا رہ گیا اس نے کہا "آرے دل رسول اللہ ﷺ می خراشی" (۳) یعنی جب تیرا یہ فعل حضور ﷺ کے سامنے پیش ہوتا ہے تو اس سے حضور ﷺ کے دل کو صدمہ پہنچتا ہے تم کو یہ بھی خبر نہیں کہ کتنے بڑے دل کو تم صدمہ پہنچا رہے ہو۔ یہ حقیقت مرزا قتیل پر جب منکشف ہوئی تو وہ ایک چیخ مار کر بے ہوش ہوگیا اور جب ہوش آیا تو بزبانِ حال یہ شعر اُس کی زبان پر تھا ۔

جزاک اللہ کہ چشمم باز کردی مرا باجانجاں ہمراز کردی (۴)

واقعی طلب بھی عجیب چیز ہے یہ بیکار نہیں جاتی وہ ایرانی اپنی اصلاح کے واسطے مرزا قتیل کے پاس آرہا تھا اس کی صورت دیکھ کر اس کو افسوس ہوا ہوگا کہ میری ساری محنت رائیگاں گئی مگر حق تعالیٰ نے اس کی محنت کو دنیا میں بھی ضائع نہ کیا اس کے ذریعہ سے مرزا قتیل ہی کی اصلاح کردی جس کا اس کو اجرِ عظیم ملا ہوگا اور اپنی طلب اور سعی کا ثواب جدا رہا۔ (۵)

---

(۱) اے بھائی داڑھی منڈاتے ہو شرم نہیں آتی (۲) ہاں داڑھی ہی ترشواتا ہوں لوگوں کے دل نہیں چیرتا (۳) تم تو اپنے اس فعل داڑھی منڈوانے سے حضور ﷺ کے دل کو چیرتے ہو (۴) "اللہ تعالیٰ تجھے جزائے خیر دے کہ تو نے میری آنکھیں کھولدیں اور مجھے محبوب حقیقی تک پہنچادیا" (۵) اپنی کوشش کا ثواب الگ رہا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت

میں یہ بیان کر رہا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قویٰ ایسے عمدہ تھے کہ اگر یہ اسباب نہ ہوتے تو آپ کو غالباً اخیر عمر تک بھی بڑھاپا نہ پہنچتا اب اس سے اندازہ کیجئے کہ ان اسباب کے ہوتے ہوئے جو حقیقت میں انسان کو گھلا دینے والے ہیں پھر بھی آپ کے قویٰ کیسے زبردست تھے کہ اخیر عمر میں آپ کے معدودے چند بال سفید ہوگئے تھے جو بیس سے زیادہ نہ ہوں گے اس لئے ہجرت کے وقت بظاہر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بڑے معلوم ہوتے تھے کیونکہ ان کے بال زیادہ سفید ہوگئے تھے تو اکثر لوگ انہی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ کر مصافحہ اُن سے کرتے تھے اب حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا ادب دیکھئے کہ مصافحہ سے انکار نہ کیا جو ان سے مصافحہ کرتا اس سے مصافحہ کر لیتے تھے اور یہ نہ کہتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مصافحہ کرو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہیں راحت رسانی اس کو کہتے ہیں۔

اگر کوئی دوسرا ہم سوا(۱) ہوتا تو خود کبھی مصافحہ نہ کرتا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو تکلیف دیتا سادگی یہ تھی جو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے فعل سے ظاہر ہوتی ہے کہ ایسے موقع میں بڑوں کو کلفت (۲) سے بچانا چاہیئے خود ہی مصافحہ کرلیا تو کیا حرج ہوا۔ بزرگوں کی راحت رسانی کا ہمیشہ خیال رکھنا چاہیئے مگر آج کل تعظیم میں ایسا غلو کیا جاتا ہے کہ راحت پہنچانے کی مطلق فکر نہیں کی جاتی غرض کہ لوگ آتے تھے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو السلام علیك یا رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم کہتے جاتے تھے اور مصافحہ کرتے جاتے تھے اس وقت تک سب لوگ یہی سمجھتے رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہی ہیں یہاں تک کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر دھوپ آنے لگی اس وقت حضرت صدیق رضی اللہ عنہ

---

(۱) اگر کوئی ہم جیسا دوسرا ہوتا تو (۲) پریشانی۔

کھڑے ہوکر ایک کپڑا لے کر آپ پر سایہ کرنے لگے جب صحابہ کو خبر ہوئی کہ آقا یہ ہیں اور جن سے ہم مصافحہ کرتے تھے وہ غلام ہیں پھر صحابہ کا ادب یہ تھا کہ دوبارہ حضور ﷺ سے مصافحہ کرنے کا قصد نہیں کیا (۱) اگر آجکل کے لوگ ہوتے تو یہ معلوم کر کے کہ ہم نے حضور ﷺ سے مصافحہ نہیں کیا بلکہ آپ کے خادم اور رفیق سے کیا ہے دوبارہ پھر آپ سے مصافحہ کرتے مگر حضرات صحابہ ان تکلفات سے بَری تھے۔

مقامِ صدیق رضی اللہ عنہ

تو اس واقعہ میں حضور ﷺ کا برتاؤ جو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ ظاہر ہوا ہے اس سے غایت درجہ اتحاد معلوم ہوتا ہے کیونکہ لوگ حضرت ابوبکر کو السلام علیکم یا رسول اللہ ﷺ سے خطاب کرتے اور انہی سے مصافحہ کرتے تھے حضور ﷺ نے اس پر انکار نہیں فرمایا۔ عارفین نے اس واقعہ کا نکتہ یہ بیان کیا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جو مرتبہ فنا فی الرسول ﷺ کا عطا ہوا ہے جس کی وجہ سے ان کو حضور ﷺ کے ساتھ غایت درجہ (۲) اتحاد نصیب تھا اُس کے اظہار کے واسطے حق تعالیٰ نے یہ صورت واقعہ ظاہر کر دی اور حضرت صدیق کو ھذا رسول اللّٰہ ﷺ لوگوں کی زبان سے بھی کہلوا دیا اور اہلِ حال صوفیوں کو خشک فتوے سے بچا دیا۔

صدیق کا مقام ایسا عالی ہوتا ہے کہ اس کے علوم کا ماخذ بھی وہی ہوتا ہے جو نبی کا ماخذ ہے اور جو بات نبی کے دل میں آتی ہے وہ صدیق کے دل پر بھی فائض ہوتی ہے مگر صدیق کے علوم کا اعتبار نبی کی تائید کے بغیر نہیں ہوتا ماخذ اگر ایک ہے مگر نبی کا علم خطا سے بالکل محفوظ ہے اور اس کا علم قطعی ہے اور صدیق کا علم ظنی ہوتا ہے جس کی صحت کے لئے تائید نبی کی ضرورت ہے، چنانچہ شیخ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کو بیان کیا ہے۔

(۱) ارادہ نہیں کیا (۲) حضور ﷺ کے رنگ میں ایسے رنگے گئے تھے گویا کہ دونوں یک جان دو قالب تھے۔

مولانا اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کا حل

اور اس اخیر زمانہ میں مولانا اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کو لکھا ہے میں نے خود تو مولانا شہید رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف میں یہ مضمون نہیں دیکھا تھا مگر ایک سوال میرے پاس آیا جس سے معلوم ہوا کہ مولانا نے بھی یہ مضمون بیان فرمایا ہے جن صاحب نے خط میں وہ مضمون لکھا تھا وہ اس کی وجہ سے سخت پریشان تھے کیونکہ بظاہر الفاظ ایک امر منکر کے موہم تھے(۱) اور اول وہلہ میں تو میں بھی دیکھ کر گھبرا گیا تھا(۲) الحمدللہ کہ پھر جلد ہی مطلب سمجھ میں آ گیا۔ مولانا نے اپنی کسی کتاب میں لکھا ہے کہ ''صدیق شاگرد انبیاء ہم می باشد و ہم استاد انبیاء ہم'' وہ صاحب یہ مطلب سمجھے تھے کہ صدیق شاگرد انبیاء کا بھی ہوتا ہے اور استاد بھی۔ پہلے پہل میرا بھی ذہن اسی طرف گیا اور میں اس کو اُس مضمون کی طرف لے گیا جو شیخ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے خاتم الولایت کے بارے میں لکھا ہے انہوں نے خاتم الولایت سے بعض علوم میں انبیاء کو مستفید لکھا ہے جو کہ بہت ہی سخت بات ہے مگر پھر میں نے دیکھا کہ مولانا اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت میں لفظ ''ہم'' دو جگہ آیا ہے یعنی ''و ہم استاد انبیاء ہم'' جس سے معلوم ہوا کہ مولانا اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کا وہ مطلب نہیں جو شیخ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے آپ کا مطلب بالکل صاف ہے۔ ''ہم استاد'' کہتے ہیں ساتھی کو جو ایک استاد میں دوسرے کا شریک ہو تو لفظ ''ہم'' مکرر ہونے سے مطلب بالکل صاف ہو گیا(۳) حاصل یہ ہے کہ صدیق انبیاء کا شاگرد بھی ہوتا ہے اور ان کا ہم استاد(۴) یعنی استاد بھائی اور ساتھی اور شریک بھی ہوتا ہے، سو یہ وہی بات ہے جو میں نے ابھی بیان کی تھی کہ صدیق کے

(۱) بظاہر الفاظ سے ایک ناپسندیدہ بات کا وہم ہوتا تھا (۲) شروع شروع میں تو میں بھی نہیں سمجھا اور گھبرا گیا (۳) لفظ ''ہم'' کو دوبار ذکر کرنے سے مطلب واضح ہو گیا (۴) جیسے ہم مکتب اور ہم مشرب وغیرہ کہ جو ایک ہی درسگاہ سے فیض حاصل کریں یا جنکا طریق ایک ہو۔

علوم کا ماخذ بھی وہی ہوتا ہے جو انبیاء کے علوم کا ماخذ ہوتا ہے اس لحاظ سے تو وہ انبیاء کا شریک اور ساتھی ہے مگر اس کے علوم کا اعتبار بدون تائیدِ نبی کے نہیں ہوتا اس لحاظ سے وہ شاگرد انبیاء ہے۔

ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی تاویل

باقی شیخ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے جو خاتم الولایت کے بارے میں لکھا ہے وہ بیشک بہت ہی سخت بات ہے وہ تو اُس کو صاف صاف انبیاء کا استاد لکھتے ہیں جو کہ بہت موحش مضمون ہے[۱] اگر چہ اُس میں تاویل ہوسکتی ہے جس کو میں نے اپنی شرح فصوص میں لکھا ہے مگر پھر بھی دل اس لفظ کو قبول کرنے اور ماننے کے لئے بالکل تیار نہیں ہوتا اس لئے میں تو اس کو بالکل غلط سمجھتا ہوں یا تو شیخ ہی کا کشف غلط ہو یا کسی نے ان کی کتاب میں یہ مضمون الحاق کر دیا ہو[۲] اور اس میں کچھ شیخ کی بے ادبی نہیں شیخ کا ادب یہی ہے کہ ان کو ان خرافات سے بَری کیا جائے علامہ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے یواقیت وجواہر میں اس کی تصریح کی ہے کہ بعض یہودیوں نے شیخ کے کلام میں تحریف بھی کی ہے[۳] اس لئے ان کے کلام میں جو مضمون خلاف شریعت ہوگا ہم اس کو شیخ کی طرف ہرگز منسوب نہ کریں گے ضرور اُس کو الحاق کہیں گے[۴] اور اگر کوئی اس کو تسلیم نہ کرے تو ہم صاف یہی کہیں گے کہ شیخ کا کشف غلط ہے۔ اور کشفیات میں غلطی ہوجانا کوئی بعید بات نہیں۔ جب مطلقاً صدیق کے علوم کا اعتبار نبی کی تائید کے بغیر نہیں ہوتا تو شیخ کے علوم کا بھی اعتبار شریعت کی تائید کے بغیر کیونکر ہوسکتا ہے۔

(۱) وحشت میں مبتلا کرنے والا مضمون ہے (۲) یہ مضمون شامل کر دیا (۳) تبدیلی بھی کی ہے (۴) ان کے کلام میں کسی دوسرے کا شامل کردہ کہیں گے۔

قُربِ حسی اور قُربِ معنوی

میں یہ بیان کر رہا تھا کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قُربِ معنوی بہت زیادہ تھا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو قُربِ حسی زیادہ تھا اور قُربِ حسی کو بھی بہت دخل ہے فیوض و برکات زیادہ حاصل ہونے میں۔ پس حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ان علوم میں قرب کو بڑا دخل تھا چنانچہ ان کے اقوال نہایت جچے تلے ہوتے ہیں حکماء میں وہ بہت بڑے حکیم ہیں۔ پس خاندان والوں کو چونکہ نبی یا ولی سے قُربِ حسی زیادہ ہوتا ہے ان کو دوسروں کی بہ نسبت زیادہ فیض ہوتا ہے وہ اس کے عادات و اطوار سے دوسروں کی نسبت زیادہ واقف ہوتے ہیں البتہ کبھی دوسرے لوگوں میں جب کسی کو قرب معنوی اور محبت و خلوص زیادہ ہوتا ہے تو وہ خاندان والوں سے بھی بڑھ جاتا ہے مگر ایسا کم ہوتا ہے اکثر خاندان والوں ہی کو بوجہ مناسبت اور قرب کے زیادہ نفع ہوتا ہے۔

اہمیت ادائیگی شکر

اس لئے اس آیت میں داؤد علیہ السلام کے تمام خاندان کو خطاب کیا گیا ہے اگرچہ جن انعامات کا یہاں ذکر ہے وہ ظاہر میں خاص داؤد و سلیمان علیہما السلام پر ہوئے ہیں مگر اس تمام تقریر سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ درحقیقت یہ انعامات تمام خاندان کو شامل ہیں۔ خاندان میں ایک شخص کے مقبول ہو جانے سے ظاہری اور معنوی دونوں طرح کے فیض خاندان والوں کو دوسروں سے زیادہ حاصل ہوتے ہیں بشرطیکہ وہ طالب بھی ہوں اور ان فیوض و برکات سے فائدہ اُٹھانا بھی چاہیں اس لئے حق تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کے پورے خاندان کو متنبہ فرمایا ہے کہ یہ انعامات تم سب پر ہیں سب کو ان کا شکر ادا کرنا چاہیئے فرماتے ہیں: ﴿اِعْمَلُوْا اٰلَ دَاوٗدَ

شُكْرًا﴾ یہاں ﴿شُكْرًا﴾ مفعول بہ نہیں ہے ورنہ اُس کے لئے واشکروا کافی تھا بلکہ مفعول لہ ہے اور ﴿اِعْمَلُوْا﴾ کا مفعول بہ یہاں بھی وہی مقدر ہے جو اس کے قبل ملفوظ ہے یعنی ﴿وَاعْمَلُوْا صَالِحًا﴾ یہاں یہ مفعول لہ اس لئے بڑھایا تاکہ اس سے معلوم ہو جاوے کہ شکر ہی غایت ہے اعمال صالحہ کی یعنی اعمال صالحہ اِسی لئے وضع کئے گئے کہ شکر کی ایک صورت یہ بھی ہے۔

اس سے شکر کا ضروری اور مہتم بالشان ہونا معلوم ہو گیا ہوگا مجھے اس وقت اسی کا بیان کرنا زیادہ مقصود تھا اور میں مستورات کے خیال سے سہل مضامین بیان کرنے کا قصد کر رہا تھا نہ معلوم یہ تمہید لمبی کیسے ہوگئی مگر اُمید ہے کہ وہ سمجھ گئی ہوں گی گو سب مضامین مع ہیئت ترکیبیہ نہ سمجھی ہوں مگر ہر جز و فرداً فرداً تو ان کی سمجھ میں بھی آ گیا ہوگا(۱)۔ خیر یہ مضامین بھی ضروری تھے جو اہلِ علم کے کام کے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے غفلت

میرا مقصود یہ تھا کہ آج کل ہم لوگوں میں یہ بڑی کوتاہی ہے کہ ہم میں شکر کا مادہ کم ہے۔ ہم لوگ حق تعالیٰ کی نعمتوں کا بہت کم شکر کرتے ہیں۔ اور افسوس یہ ہے کہ بعضوں کو تو خدا تعالیٰ کے احسانوں کا علم بھی نہیں چنانچہ اگر کوئی غریب مصیبت زدہ خدا تعالیٰ کا شکر کرے تو اس سے بعضے لوگ کہتے ہیں کہ تو کس چیز پر شکر کرتا ہے تیرے پاس کونسی نعمتیں ہیں؟ افسوس! اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کو خدا تعالیٰ کی نعمتوں کا علم بھی نہیں۔

---

(۱) اگرچہ جس ترتیب سے مضامین بیان کئے گئے اس ترتیب سے ان کی سمجھ میں نہ آئے ہوں لیکن ان کے اجزاء تو سمجھ میں آ ہی گئے ہوں گے اور پورے وعظ کا ہر ایک کے لئے سمجھنا ضروری بھی نہیں کہ وعظ میں مختلف درجات کے لوگ شریک ہوتے ہیں عوام بھی خواص بھی اور واعظ سب کی رعایت کر کے وعظ کہتا ہے جو علماء کے متعلق مضمون ہو اس کو وہ سمجھیں اور جو عوام کے متعلق ہو اس کو وہ سمجھیں۔

بیماری بھی ایک نعمت ہے

بعض لوگ بیماری میں زیادہ گھبراجاتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی شکایتیں کرنے لگتے ہیں حالانکہ بیماری کے اندر بھی اگر غور سے دیکھا جائے تو خدا تعالیٰ کی نعمتیں ضرور ہوتی ہیں اگر اپنے سے زیادہ بیمار کو دیکھا جائے تو اُس وقت حقیقت معلوم ہو کہ یہ بیماری بھی اُس کے لحاظ سے ایک بڑی نعمت ہے پھر خدا تعالیٰ کا یہ کتنا بڑا احسان ہے کہ بیماری دی تھی تو اس کے ساتھ دوا کے دام بھی دیئے[1] عطار اور حکیم اور تیماردار بھی پیدا کیے۔ پھر بعض دفعہ اس بیماری میں خود بہت سی مصلحتیں بعد میں معلوم ہوتی ہیں۔ ایک صحابی کی ٹانگ ٹوٹ گئی تھی اس کی حکمت ان کو حضرت علی رضی اللہ عنہ وحضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی لڑائی کے وقت معلوم ہوئی کہ جو تندرست تھے اکثر اس میں شریک ہوئے اُن صحابی سے کسی نے شریک ہونے کو کہا ہی نہیں کیونکہ جانتے تھے کہ یہ لنگڑے ہیں لڑائی سے معذور ہیں اور اگر کسی نے کہا بھی تو وہ اپنی ٹانگ کا عذر بیان کر کے چھوٹ گئے اُس وقت اُن کو اپنی ٹانگ ٹوٹنے کی قدر ہوئی کہ اس نے بہت کام دیا کیونکہ ان لڑائیوں میں جو خون ہوئے ہیں وہ بہت محترم خون تھے دونوں طرف سے صحابہ ہی صحابہ تھے اول تو مطلق مسلمان کا خون محترم ہے پھر صحابہ کا خون تو بہت ہی محترم ہے اس میں ہاتھ رنگنے سے بچ جانا بہت بڑی نعمت تھی۔

اختلافِ صحابہ میں گفتگو سے احتراز

اب ہم کو اس میں گفتگو بھی نہ کرنی چاہیئے کہ کون حق پر تھے اور کون ناحق پر تھے۔ حضراتِ صحابہ نفسانیت سے پاک تھے انہوں نے جو کچھ کیا محض لِلّٰہیت

---

(۱) دوا کے لئے پیسے بھی دیئے۔

سے کیا ان تمام جھگڑوں کا منشاء اجتہادی غلطی تھی سو مجتہد کو غلطی پر بھی ثواب ملتا ہے، بس اس سے زیادہ گفتگو فضول ہے اس بارے میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کا مقولہ بہت ہی عجیب ہے وہ فرماتے ہیں: ((تِلْكَ دِمَاءٌ طَهَّرَ اللّٰهُ عَنْهَا اَيْدِيْنَ فَلْنُطَهِّرُ عَنْهَا اَلْسِنَتَنَا))"یہ ایسے خون ہیں کہ خدا تعالیٰ نے ان سے ہمارے ہاتھوں کو پاک صاف رکھا ہے تو ہم کو اپنی زبانیں بھی ان سے پاک رکھنی چاہئیں"۔ جب خدا تعالیٰ نے ہمارے ہاتھوں کو ان سے ملوث نہیں کیا (۱) تو ان کی شان میں بے ادبی اور گستاخی کر کے ہم نے اپنی زبانوں کو کیوں گندہ کیا۔

دوسرے یہ اختلاف بڑوں بڑوں کا ہے چھوٹوں کا اس میں بولنا زیبا نہیں۔ باپ اور چچا میں اگر جھگڑا ہو تو دونوں کی اولاد کو اس میں بولنا اور ان میں سے کسی ایک کے ساتھ بے ادبی کرنا ہرگز مناسب نہیں کیونکہ آخر تو وہ دونوں بھائی بھائی ہیں آپس میں ایک دوسرے کو وہ جو چاہیں کہہ لیں مگر چھوٹوں کی زبان سے کوئی شخص اپنے بھائی کی توہین گوارا نہیں کرسکتا۔

بیماری میں محبوبانِ خدا کا حال

غرض بعض دفعہ وہ مصیبت ہی خود نعمت ہوتی ہے جس کا نعمت ہونا بعد میں معلوم ہوتا ہے اور اگر اپنی محبت بھی خدا تعالیٰ نے دی ہو تو تب تو بیماری کا لطف بہت ہی آتا ہے تکلیف اور درد بھی راحت ہی معلوم ہوتی ہے

ع از محبت تلخہا شیریں شود (۲)

عاشق تو بیماری اور درد میں یہ کہتا ہے ؎

---

(۱) ہمارے ہاتھوں کو محفوظ رکھا (۲) "راستہ کی ساری تلخیاں محبت سے شیریں ہوجاتی ہیں"

درد از یار ست ودرماں نیز ہم　　دل فدائے آں شد وجاں نیز ہم (۱)

عاشق کو محبوب کی مار میں وہ لطف آتا ہے جو دوسروں کے پیار میں بھی نہیں آتا دیکھو اگر کسی کا محبوب پیچھے سے آکر عاشق کی آنکھیں بند کر کے اس کو زور سے دبالے تو اول تو وہ گھبرائے گا کہ یہ کون ہے مگر صورت دیکھ کر یا پہچان کر وہ کس درجہ خوش ہوتا ہے اب تو وہ یہ چاہے گا کہ اور زور سے دبائے اور اس کی کوشش کرے گا کہ اپنے بدن کو اس کے سینے سے خوب لگاوے بلکہ اگر محبوب پوچھے بھی کہ اگر دبانے سے تکلیف ہوتی ہو تو تجھ کو چھوڑ کر فلانے کو جو میرا دوسرا عاشق ہے دبالوں تو یوں کہے گا ۔

نشود نصیبِ دشمن کہ شود ہلاک تیغت　　سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی (۲)

تو جو لوگ بیماری میں گھبرا جاتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی شکایتیں کرنے لگتے ہیں اُن کے دل محبت سے خالی ہیں ورنہ ان کو درد میں بھی لطف آتا۔ عارفین سے اس کی لذت کا پوچھو وہ بیماری میں کیسے مسرور ہوتے ہیں گو ظاہر میں تکلیف ہوتی ہو۔

بعض صوفیاء کی غلط فہمی

بلکہ بعض عارفین کو تو اس لذت کا اس قدر غلبہ ہوا کہ وہ یہ سمجھ کر کہ منشاء اس لذت کا معرفت ہے یوں کہنے لگے کہ کفار کو بھی کچھ مدت کے بعد جہنم کا عذاب معلوم نہ ہوگا کیونکہ اُس وقت ان کو حق تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوجائے گی اور معرفت کے بعد وہ سمجھ جائیں گے کہ یہ حق تعالیٰ کی طرف سے ہے تو اس معرفت

(۱) ''درد بھی محبوب کا دیا ہوا ہے دوا بھی وہی کریگا۔ میں تو دل وجان سے اس پر فدا ہو چکا ہوں'' (۲) ''دشمن کا ایسا نصیب نہ ہو کہ آپ کی تیغ کا کشتہ بنے۔ دوستوں کا سر ہی سلامت رہے کہ اُن پر آپ کا خنجر ہے''۔

کی لذت میں اُن کو جہنم کے عذاب کا احساس نہ ہوگا بلکہ اُن کو اس میں بھی لذت آئے گی۔ اس میں متن شیخ ابنِ عربی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے اور شرح ایک بزرگ نے کی ہے۔ شیخ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے صرف اتنا کہا تھا کہ اہلِ جہنم کو ایک مدت کے بعد عذاب کا احساس نہ ہوگا۔ ایک بزرگ شارح نے اس کی علت یہ بیان کردی کہ ان کو اس وقت معرفت نصیب ہو جائے گی اور معرفت کے بعد عذاب لذیذ معلوم ہوگا جیسا کہ عارفین کو دنیا کی تکالیف اور بیماریاں اسی معرفت سے لذیذ معلوم ہوتی ہیں۔ مگر قواعد سے یہ متن اور شرح دونوں غلط ہیں۔

کفار کے لئے دائمی عذاب

نصوصِ قرآنیہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کفار کو ہمیشہ عذاب کا احساس ہوگا اور دن بدن عذاب میں زیادتی معلوم ہوگی: ﴿كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُودُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ﴾(۱) ﴿لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ﴾(۲) ﴿زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ﴾(۳)

ان صاف اور صریح آیات کے بعد ہرگز اس قول کی صحت قابلِ تسلیم نہیں شیخ نے تو محض ایک کشف لکھا ہے اور دلیل کچھ بیان نہیں کی تو ہم صاف کہتے ہیں کہ جو کشف قرآن وحدیث کے خلاف ہو وہ بالکل غلط ہے۔

---

(۱) ''جب ایک دفعہ اُنکی کھال جل چکے گی تو ہم اُس پہلی کھال کی جگہ فوراً دوسری کھال پیدا کردینگے'' سورۂ نساء:۵۶
(۲) ''اُن سے عذاب ہلکا نہ ہونے پاویگا اور ان کو مہلت نہ دی جاوے گی'' سورۂ بقرہ:۱۶۲ (۳) ''ہم سزا پر دوسری سزا بمقابلہ ان کے فساد کے بڑھادیں گے'' سورۂ نحل:۸۸۔

صوفیاء کی غلطی کا مدار

اور شارح نے جو اس کی دلیل بیان کی ہے اس میں ان کو دھوکا ہوا ہے وہ لذت کا مدار نفسِ معرفت پر سمجھتے ہیں۔ حالانکہ لذت کا مدار معرفت اور محبت کا مجموعہ ہے سو ہم نے مانا کہ کفار کو ایک وقت میں معرفت نصیب ہو جائے گی مگر یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ ان کو محبت بھی حاصل ہو جائے گی۔ کفار کو محبت خاک نصیب ہوگی بلکہ عجب نہیں کہ معرفت کے بعد ان کو خدا تعالیٰ سے بغض وعداوت پہلے سے زیادہ ہو جاوے۔ کیونکہ جب تک کہ ان کو خدا تعالیٰ کی معرفت حاصل نہ تھی نہ معلوم وہ اس عذاب کی وجہ اور علت کیا سمجھتے ہوں گے، اور معرفت کے بعد تو اُن کو صاف معلوم ہوگا کہ حق تعالیٰ کے حکم سے ہم کو عذاب ہو رہا ہے اور ہماری یہ تکلیف ان کی مشیّت سے ہے تو اس حالت میں محبت پیدا ہوگی یا بغض زیادہ ہوگا؟ اس لئے یہ دلیل بالکل غلط ہے۔

حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ تصوف کے امام تھے

اور میں تو کیا چیز ہوں جو ان حضرات کی غلطیاں نکالوں یہ سب حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ (۱) کا طفیل ہے کہ طریق باطن کے دھوکوں پر بحمد اللہ جلدی اطلاع ہو جاتی ہے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بیشک اس فن کے امام تھے اور ہم ان کو ان حضرت سے کچھ کم نہیں سمجھتے اور یہ حضرت حاجی صاحب ہی کے علوم ہیں جن سے ان اقوال کا غلط ہونا معلوم ہو جاتا ہے اور ان کے منشاء پر اطلاع ہو جاتی ہے کہ یہ دھوکا ان کو کس بات سے ہوا۔

(۱) حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ۔

شیخ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کا مقام بلند

پس یہ قول یا تو حضرت شیخ سے حالتِ سُکر میں صادر ہوا ہے جس میں وہ معذور تھے اور حالتِ سُکر کے اقوال ماننے کے لئے ہم کو مجبور نہیں کیا جاسکتا یا یہ کہ یہ بھی شیخ پر افتراء ہے جیسا کہ اعداء نے اور بھی ان پر افتراءات کئے ہیں۔ مگر ان غلطیوں کے باوجود شیخ اب بھی ویسے ہی حَسین ہیں جیسا کہ وہ اِن اغلاط سے پہلے حَسین تھے ان کے عارف اور بہت بڑے ولی ہونے میں کس کو کلام ہوسکتا ہے۔ انہوں نے اگر ایک دو جگہ لغزش کی ہے تو ہزار جگہ ایسی تحقیقات بھی بیان کی ہیں جن سے قرآن وحدیث کی حقیقت اور عظمت معلوم ہوتی ہے جس نے شریعت کے اس قدر اسرار بیان کئے ہوں اس سے ایک دو جگہ لغزش بھی ہوجائے تو اس سے اُس کے حُسن میں کیا فرق آسکتا ہے۔ حَسین چہرہ میں سیاہ تِل سے رونق ہی بڑھتی ہے حُسن کم نہیں ہوتا۔

بات یہ ہے کہ ان لوگوں نے ریاضتیں بہت کی ہیں انوار کو بہت غذا بنایا ہے اُس کی وجہ سے یہ دُمل (۱) بھی کہیں کہیں نکل آتے ہیں جو بہت کھاتا ہے اس کے پھوڑے پھنسیاں بھی بہت نکلتی ہیں اور ہم نے کھایا ہی کیا ہے جو ہمارے پھنسیاں نکلیں، یہ حضرات کام بہت کرتے تھے ان پر حالات اور کیفیات بھی ویسی ہی قوی وارد ہوتی تھیں جن سے مغلوب ہوکر کبھی کبھی ان کے منہ سے ایسی باتیں بھی نکل گئیں۔ اور ہم نے کام ہی کیا کیا ہے جو حالات اور کیفیات کا غلبہ ہو مگر الحمد للہ کہ حالات اور کیفیات اگر ایسی نصیب نہ ہوئیں تو یہ ایک دولت بہت بڑی حق تعالیٰ نے عطا کی ہے کہ ہمارے علوم صحیح ہیں اور بحمد للہ اب تک اپنے عقائد میں کوئی غلطی معلوم نہیں ہوئی۔

غرض کہ عارفین کو بیماری اور تکلیف میں ایسی لذت ہوتی ہے کہ بعض لوگوں کو اہلِ دوزخ کے بارے میں معرفت حاصل ہونے کے بعد لذت اور خفتِ

(۱) پھوڑے۔

عذاب کا دھوکا ہو گیا ہے۔

سب سے بڑی نعمت ایمان ہے

بیماری میں اگر اور بھی کوئی نعمت معلوم نہ ہو تو یہ کتنی بڑی نعمت ہے کہ خدا تعالیٰ نے صرف تندرستی ہی چھین لی اور ایمان سلب نہیں کیا ایمان وہ دولت ہے کہ اس کے سامنے سب دولتیں ہیچ ہیں۔ ابدالآباد کی راحت یعنی جنت اسی کی بدولت ملتی ہے۔ ایک کابلی کا قول ہے کہ کافر کے پاس کیا رکھا ہے اس کے پاس کچھ بھی نہیں ہمارے پاس وہ نعمت ہے جس کی اُس کو ہوا بھی نہیں لگی یعنی ((لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰه)) اس کے اندر وہ چیزیں ہیں کہ ان کے سامنے کافر کی سب راحت وآسائش ہیچ ہے[۱] واقعی سچ کہا کیوں کہ ایمان کی بدولت جنت میں ہر مسلمان کو اتنا ملے گا کہ دنیا و مافیہا کی اس کے سامنے کچھ حقیقت نہیں [۲] تو اس کابلی کو اپنے ایمان پر بڑا ناز تھا اور واقعی یہ دولت ہی ایسی ہے۔

ایک بزرگ کے سر سے پیر تک زخم ہی زخم تھے اس حالت میں بھی وہ شاکر تھے ہر وقت خدا تعالیٰ کا شکر کرتے رہتے تھے، کسی نے پوچھا کہ آپ کس چیز کا شکر کرتے ہیں آپ کے بدن کا کوئی حصہ بھی تو ایسا نہیں جو صحیح سالم ہو، فرمایا میں اس کا شکر کرتا ہوں کہ ایمان نہیں چھینا تو اب یہ تکلیف محدود ہے دل کو سمجھا لیا ہے کہ مَرتے ہی جنت میں پہنچ جاؤنگا چند روزہ تکلیف سے پریشانی کیسی اور اگر خدانخواستہ ایمان بھی سلب ہو جاتا تو پھر اس تکلیف کا کبھی خاتمہ ہی نہ ہوتا میں اس کا شکر کرتا ہوں کہ حق تعالیٰ نے اس کلفت کو محدود کر دیا ہے۔

پس مسلمان کے پاس یہ کچھ تھوڑی دولت ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس کو ایمان عطا فرمایا ہے جس کی بدولت اُس کی تمام کلفتیں ایک دن ختم ہو جائیں گی۔

(۱) راحت وآرام کی اس کے مقابلے میں کوئی حقیقت نہیں (۲) دنیا اور اس میں موجود تمام چیزوں کی کوئی حقیقت نہیں۔

کفار کی حالت کیسی افسوسناک ہے کہ ان کی کلفت کا خاتمہ ہی کسی دن نہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کے انعامات

اور اگر غور کیا جائے تو ایمان کے علاوہ حق تعالیٰ کی نعمتیں اور بھی بہت سی ہیں جو ہر دم ہم کو گھیرے ہوئے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے ہم کو رہنے کے واسطے مکانات دیئے ہیں جن سے گرمی اور سردی میں راحت ملتی ہے۔ پہننے کو کپڑے دیئے ہیں۔ ہوا اور پانی آگ اور دھوپ یہ نعمتیں ایسی ہیں کہ کسی کے بھی قبضہ میں نہیں مگر حق تعالیٰ نے ہم کو مفت عنایت فرمائی ہیں۔ اور اسی طرح ہر شخص اپنی اپنی حالت میں غور کرے تو اس کو خدا تعالیٰ کے انعامات اس کثرت سے اپنے اوپر معلوم ہوں گے جن کا انکار نہیں ہوسکتا۔

عورتوں میں ناشکری کا مادہ

اور ساتھ ہی اس کا بھی انکار نہیں ہوسکتا کہ ہم ان نعمتوں کا کچھ بھی شکر ادا نہیں کرتے خصوصاً عورتیں کہ ان میں تو ناشکری کا بہت ہی زیادہ مادہ ہے۔ حدیث میں عورتوں کی بابت ارشاد ہے: ((تکثرن اللعن وتکفرن العشیر))[۱] کہ ''تم لعنت اور پھٹکار کرتی رہتی ہو اور شوہر کی ناشکری کرتی ہو''۔ اکثر عورتیں تو ایسی ہی ہیں جو شوہر کی ناشکری زیادہ کرتی ہیں اور جو اللہ تعالیٰ کی بندیاں شوہر کا شکر ادا کرتی ہیں وہ بھی خدا تعالیٰ کے شکر سے غافل ہیں خاوند کا اس لئے شکر کرتی ہیں کہ وہ چھنا چھن روپے لاتا رہتا ہے پہننے کو زیور اور کپڑے عمدہ بنا دیتا ہے تو اس کو تو روپیہ اور زیور لاتے ہوئے دیکھتی ہیں اس لئے اس کا شکر ادا کردیتی ہیں اور خدا تعالیٰ کو کچھ دیتے دلاتے دیکھا نہیں اس لئے خدا تعالیٰ کا دھیان بھی نہیں آتا اور کسی کو ذرا

(۱) جامع الصحیح للبخاری: ۸۳/۱۔

بھی خیال نہیں ہوتا کہ یہ سب نعمتیں اُسی کی دی ہوئی ہیں اس کا شکر بھی کرنا چاہیئے۔ البتہ کھانا کھا کر عورتیں اتنا ضرور کہہ دیتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ تیرا شکر، بس ان کا بڑا شکر کھانے کے وقت ادا ہوتا ہے اور اس زبانی شکر ہی کو وہ شکر سمجھتی ہیں اس لئے شاید ان کو یہ خیال بھی ہوا ہو کہ ہم تو دونوں وقت کھانا کھا کر خدا تعالیٰ کا شکر کرتے ہیں پھر ہم کو ناشکر کیوں کہا جاتا ہے۔

شُکر کا محل

سو بات یہ ہے کہ ان کو ابھی تک شُکر کی حقیقت ہی معلوم نہیں ہوئی حقیقت معلوم ہوجائے تو وہ خود کہیں گی کہ واقعی ہم بہت ناشکری کرتیں ہیں۔ اس غلطی میں اکثر لوگ مبتلا ہیں کہ وہ زبان سے اللہ تعالیٰ تیرا شکر کہنے ہی کو شکر سمجھتے ہیں اس غلطی کو قرآن شریف نے دفع کیا ہے۔ فرماتے ہیں ﴿اِعْمَلُوْا اٰلَ دَاوٗدَ شُکْرًا﴾ ”اے آل داؤد! شکر کے لئے عمل کرو“۔ اس سے معلوم ہوا کہ شکر کا تعلق عمل سے بھی ہے صرف قول ہی سے تعلق نہیں۔ اگر شکر کا تعلق صرف قول سے ہوتا تو ﴿اِعْمَلُوْا﴾ نہ فرماتے ﴿شُکْرًا﴾ فرماتے۔ پس قرآن میں شکر کے لئے ﴿اِعْمَلُوْا﴾ فرمانا اس کی صاف دلیل ہے کہ شکر کا تعلق عمل سے بھی ہے۔ اور یہی ہمارے علماء نے لکھا ہے کہ شکر کا محل عام ہے لسان و قلب و اعضاء سب سے شکر ہوتا ہے اس مضمون کو ایک شاعر نے بھی بیان کیا ہے ؎

افادتکم النعماء منی ثلثة   یدی ولسانی والضمیر المجبا (۱)

تو حق تعالیٰ یہ فرماتے ہیں کہ شکر کے لئے عمل کرو۔

(۱) ”میری نعمتوں میں سے جو تم کو عطا کی گئی ہیں تین نعمتیں لوگوں کو زیادہ فائدہ پہنچاتی ہیں ہاتھ، زبان، دل“۔

عورتوں میں ناشکری کی عادت

اور عورتیں صرف کھانا کھا کر یا سونے کے کڑے پہن کر زبانی شکر کرتی ہیں۔ وہ بھی شوہر کے سامنے نہیں تاکہ کہیں وہ منع نہ کردے کہ کہیں پہن کر نہ جائے اُس کے سامنے زبان سے بھی کبھی شکر نہ کریں گی اس کے سامنے تو ہر چیز کو کم ہی ظاہر کریں گی تاکہ آج سونے کے کڑے لایا ہے تو کل کو خوشامد میں سونے کی کڑیاں لاوے گا پھر شہتیر لاوے گا۔(۱) سونے چاندی سے ان کو کبھی سیری ہی نہیں ہوتی۔

اللہ کے شکر کے ساتھ بندوں کا شکر بھی لازم ہے

مگر سب ہی ایسی نہیں بعض اللہ تعالیٰ کی بندیاں ایسی بھی ہیں جو شوہر کو معظم سمجھتی ہیں۔ اُس کی لائی ہوئی چیزوں کو شکریہ کے ساتھ قبول کرتی ہیں اور جن کا اس حدیث پر عمل ہے ((من لم یشکر الناس لم یشکر اللّٰہ))(۲) جس نے آدمیوں کا شکر نہیں کیا وہ خدا تعالیٰ کا بھی شکر نہیں کرتا۔ سو یاد رکھو کہ جب تک شوہر کا شکر نہ کرو گی اس وقت تک اللہ تعالیٰ کے نزدیک تیرا شکر بھی قبول نہ ہوگا۔ خدا تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ جب ہم کوئی نعمت اپنے کسی بندے کے ذریعہ سے تم کو دیں تو ہمارے شکر کے ساتھ اس آدمی کا شکر بھی کرو۔

شکر کی حقیقت

غرض شکر کی حقیقت یہ ہے کہ زبان سے بھی شکر کرو، ہاتھ پاؤں سے شکر کرو، دل سے بھی شکر کرو اور زبان کا شکر یہی نہیں ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ تیرا شکر

---

(۱) کڑی کہتے چھت میں جو بالے ڈالے جاتے اور وہ بڑی لکڑ جس پر یہ بالے رکھ کر چھت بنائی جاتی ہے شہتیر کہلاتی ہے مبالغہ کے لئے کہہ دیا کہ کل کو اس سے بڑے بنا کر دیگا (۲) جامع للترمذی: ۱۹۰۰۔

کہہ دیا کرو زبان کو ان کاموں میں مشغول کرو جو خدا تعالیٰ کو پسند ہیں اور ان باتوں سے بچاؤ جن سے وہ ناراض ہوتے ہیں۔ زبان سے خدا تعالیٰ کا ذکر کرو قرآن کی تلاوت کرو۔ مسئلے مسائل پڑھو دوسروں کو بتلاؤ۔ زبان سے کسی کی غیبت نہ کرو، چغلی نہ کھاؤ، جھوٹ نہ بولو، یہ زبان کا شکر ہے۔ کان کے متعلق شکر یہ ہے کہ اچھی باتیں سنو، قرآن اور مسئلے مسائل اور خدا تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سنو۔ غیبت اور چغلی اور حکایات وشکایات نہ سنو۔ دل کے متعلق شکر یہ ہے کہ اس میں خدا تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پیدا کرو۔ تواضع اور مسکنت اور توکل اور خوف خدا تعالیٰ پیدا کرو۔ اور بُری عادتیں اس میں سے نکال دو۔ تکبّر اور حسد اور عجب وغیرہ سے اس کو پاک وصاف رکھو کسی کو حقیر نہ سمجھو۔

اعتبار خاتمہ کا ہے

علماء نے لکھا ہے کہ مؤمن جب تک اپنے کو کافر فرنگ سے بھی بدتر نہ سمجھے اُس وقت تک مؤمن نہیں اس کی حقیقت تو اہلِ حال سمجھتے ہیں مگر اس کی ایک ظاہری توجیہ تو یہی ہے کہ خاتمہ کا حال کسی کو معلوم نہیں اس لئے بالتعیین کسی کافر سے اپنے کو افضل نہ کہے کیا خبر ہے کہ اس کا خاتمہ ایمان پر ہوجائے اور خدانخواستہ ہمارا خاتمہ بُرا ہوجائے تو پھر وہ ہم سے افضل ہوجائے۔

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پڑوس میں ایک بنیا رہتا تھا جب وہ مرگیا تو مولانا نے اس کو جنت میں پھرتا دیکھا پوچھا کہ لالہ جی تم یہاں کہاں؟ کہنے لگا مولوی جی مرتے وقت میں نے ان کہنی (یعنی کلمہ شریف) کہہ لی تھی اس وقت تک فرشتے نظر نہ آئے تھے وہ ان کہنی قبول ہوگئی۔ لیجئے لالہ جی نے ساری عمر تو کفر میں گذاری اور اخیر میں جنت لے مرے، تو خاتمہ کا حال کسی کو معلوم نہیں اس لئے

کسی خاص شخص سے خواہ وہ کافر ہی ہو اپنے کو افضل نہ سمجھے۔ البتہ اجمالاً عقیدہ رکھے کہ جن کا خاتمہ ایمان پر ہوگا وہ ان لوگوں سے اچھے ہیں جو کافر مریں گے۔

لوازمِ شکر

نیز دل میں کسی مسلمان سے دنیاوی معاملات کی وجہ سے عداوت نہ رکھے یہ دل کا شکر ہے۔ اور سارے بدن کے متعلق یہ شکر ہے کہ عورت کوئی ایسا کپڑا نہ پہنے جس سے بدن جھلکے۔ اور نامحرم سے پردہ میں کمی نہ کرے۔ اپنی مسلمان بہن کے سامنے بڑا بننے یا اِترانے کے واسطے کوئی بَڑھیا کپڑا یا زیور نہ پہنے جس سے اس کا دل ٹوٹے۔ اسی طرح مرد کوئی لباس خلاف شرع نہ پہنے۔

غرض کامل شکر یہ ہے کہ تمام اعضاء زبان اور ہاتھ اور دل سب کے سب خدا تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہوں دل میں محبت و معرفت الٰہی ہو۔ اور کسی عضو سے گناہ کا ارتکاب نہ ہو اُس وقت تم شاکر ہوگی۔

شکر کرنے کے لئے ہمت کی ضرورت

اس لئے تم کو ایک احکام جاننے کی، دوسرے ہمت کی ضرورت ہوگی سو بحمداللہ اس وقت علم کا سامان بہت آسان ہوگیا ہے ضروری معلومات کے لئے بہشتی زیور کے حصے بھی کافی ہیں۔ سو سب سے پہلے تو علم کا اہتمام کرنا چاہیئے، دوسری ضرورت ہے ہمت کی کہ دل سے یہ ہمت کرلو کہ ہم خدا تعالیٰ کی نافرمانی کبھی نہ کریں گے اور خدا تعالیٰ کے راضی کرنے میں کسی کی ناراضی کی پرواہ نہ کریں گے اگر کوئی غیبت اور شکایت کی باتیں کرے اس کی بات ہرگز نہ سنو چاہے کوئی ہو۔ اگر کہیں خلافِ شرع رسمیں ہوں وہاں کبھی نہ جاؤ چاہے ساری برادری ناراض

ہوجائے کچھ پرواہ نہ کرو۔ قیامت میں یہ برادری کام نہ آئے گی تمہاری ہمت ہی کام آئے گی۔ پھراس ہمت کو برکت اور قوت اللہ اللہ کرنے سے ہوتی ہے اس لئے کچھ ذکر شروع کردواور یہ مت سمجھو کہ اصلاح کے لئے بس تسبیح پڑھ لینا کافی ہے یہ تنہا کافی نہیں اس سے تو صرف ہمت کو قوت ہوجاتی ہے دل میں انوار پیدا ہوتے ہیں اوران سے عمل میں برکت ہوتی ہے اوراصل ضرورت عمل کی ہے۔اسی طرح یہ نہ خیال کیا جائے کہ ذکروشغل کرنے سے پھر ہمت کی ضرورت نہیں رہے گی۔ ہمت سے تو پھر بھی کام لینا ہوگا۔ اگر ہمت ہی ہار دی تو پھر بیچاری تسبیح کیا کرلے گی۔

مراقبہ موت

پھراس سب کی اعانت کے لئے ایک کام یہ کرو کہ سوتے ہوئے موت کا مراقبہ کرو۔ یہ سوچو کہ ایک دن ہم دنیا سے جانے والے ہیں موت کے فرشتے ہماری جان نکالیں گے اس وقت دنیا کے تمام دھندے خود بخود چھوٹ جائیں گے اوراس وقت ہم کو نیک کاموں کی حسرت ہوگی کہ ہائے ہم نے نیک کام بہت زیادہ کیوں نہ کئے، تو ہم کو چاہیئے کہ ابھی سے بُرے کاموں کو چھوڑ دیں اور نیک کاموں کا شوق کے ساتھ اہتمام کریں اور اللہ تعالیٰ کی یاد میں لگیں، پھر قبر کا حال سوچو پھر حساب و کتاب اور قیامت کا تصور کرو۔ یہ سمجھو کہ ایک دن خدا تعالیٰ کے سامنے جانا ہے حق تعالیٰ سب کاموں سے سوال کریں گے قیامت میں گناہگاروں کو رسوائی ہوگی اس مراقبہ سے خدا تعالیٰ کا خوف دل میں پیدا ہوگا بہت سے کام خوف سے درست ہوجاتے ہیں۔

بندوں کی ناشکری کی شکایت

اس کے بعد حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ﴾ اس میں حق تعالیٰ بندوں کی شکایت فرماتے اورایسی شکایت ہے کہ اگر ہم باغیرت

ہوتے تو مرجاتے فرماتے ہیں کہ میرے بندوں میں شکر گذار بہت کم ہیں زیادہ ناشکرے ہیں۔ یہ ایسی بات ہے جیسے کوئی آقا اپنے نوکروں کو سنا کر کہے کہ نمک حلال نوکر بہت کم ہیں ظاہر ہے کہ غیرت مند نوکر اس بات سے زمین میں گڑ جائے گا۔

اس سے بھی یہ بات معلوم ہوگئی کہ شکر فقط زبان ہی سے نہیں ہوتا کیونکہ زبانی شکر تو ہر شخص کرسکتا ہے زبان سے تو اللہ تعالیٰ تیرا شکر ہے ہر آدمی کہہ لیتا ہے اگر شکر کی یہی حقیقت ہوتی تو حق تعالیٰ اتنی بڑی شکایت نہ فرماتے کہ میرے بندوں میں شکر گذار کم ہیں معلوم ہوا کہ شکر کا زیادہ تعلق عمل سے ہے اور بیشک عمل کرنے والے بہت تھوڑے ہیں اسی لئے یہ شکایت کی گئی۔ تو صاحبو! ہم کو حق تعالیٰ کی شکایت سے غیرت کرنی چاہیئے اور اپنے تمام اعمال درست کرنے چاہیئے اُس وقت ہم شاکر کہلا سکتے ہیں۔

اب دعا کیجئے کہ حق تعالیٰ ہم کو فہم کی توفیق اور عمل کی ہمت عطا فرمادیں۔(۱)

واٰخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین وصلی اللّٰہ تعالیٰ وسلم علیٰ خیر خلقہٖ سیدنا ومولانا محمد وعلیٰ اٰلہٖ واصحابہٖ اجمعین

---

(۱) اللہ تعالیٰ اس وعظ سے استفادہ کرنے والے تمام لوگوں کو شکر کی توفیق عطا فرمائیں اور اپنے شکر گذار بندوں میں شمار فرمائیں۔ آمین

خلیل احمد تھانوی

۱۷ جنوری ۲۰۱۱ء